رموزِ بیخودی

فارسی اشعار کا منظوم ترجمہ

از
اقبالؒ

مترجم
کوکب شادانی

اقبال

رموزِ بیخودی

مُترجم

کوکب شادانی

فہرس

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	پیش لفظ	ا	۱۵	وطن اساس ملت نہیں ہے	۳۶
۲	پیش کش بہ ملت اسلامیہ	۱	۱۶	نظام ملت الخ	۴۲
۳	مفہوم ربطِ فرد و ملت	۵	۱۷	زمانۂ انحطاط الخ	۴۵
۴	ملت اختلاط افراد سے الخ	۸	۱۸	سیرت ملی الخ	۴۸
۵	ملت اسلامیہ کے ارکان اساسی	۱۱	۱۹	حسن سیرت ملیہ الخ	۵۱
۶	یاس و حزن الخ	۱۵	۲۰	بیان حیات ملیہ الخ	۵۵
۷	تیر کی شمشیر سے گفتگو	۱۷	۲۱	حقیقی جمعیت ملی الخ	۵۹
۸	حکایت شبر و شہنشاہ عالمگیرؒ	۱۸	۲۲	توسیع حیات ملی الخ	۶۴
۹	رسالت	۲۱	۲۳	حیات ملیہ کا کمال الخ	۶۸
۱۰	بیان مقصود رسالت	۲۴	۲۴	نوع انسانی کی بقا الخ	۷۲
۱۱	بوعبید اور جابان	۲۶	۲۵	مسلمان عورتوں کے لئے الخ	۷۵
۱۲	سلطان مراد اور معمار	۲۸	۲۶	خطاب بہ مخدرات اسلام	۷۷
۱۳	بیان حریت اسلامیہ الخ	۳۰	۲۷	مثنوی کے مطالب کا خلاصہ	۷۸
۱۴	ملت محمدیہ کی بنیاد	۳۳	۲۸	عرض حال بحضور رحمۃ للعالمینؐ	۸۹

پیش لفظ

علامہ اقبالؒ کے فارسی کلام کے جو ترجمے اب تک شائع ہوئے ہیں ان کی تعداد غالباً علامہ موصوف کے مختلف فارسی مجموعہ ہائے کلام کی تعداد سے زیادہ ہی ہوگی لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ان ترجموں کے فاضل مترجمین نے اپنی ان مساعی جمیلہ کے ذریعہ علاؔمہ اقبال کی صحیح ترجمانی کا حق کہاں تک ادا کیا ہے۔

جیسا کہ قارئین کرام کو علم ہے ترجمہ بجائے خود ایک فن ہے اور اس میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان سے بھی قارئین کرام بخوبی واقف ہونگے بہر حال سب سے پہلے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ کسی زبان کے کسی مضمون، مقالے، نظم و نثر کی کسی کتاب یا اس کے کسی جزو کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کے لئے دونوں زبانوں پر عبور حاصل ہونا ضروری ہے۔ دوسرے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ مترجم جن مضامین، مقالوں، کتابوں یا ان کے جن اجزا کا ترجمہ پیش کر رہا ہے ان کے مطالب و مفاہیم کا ادراک اسے کہاں تک حاصل ہے۔ مثلاً قرآن مجید کے ترجمے کے لئے کلام الہی کے مفاہیم کا ادراک، کسی تفسیر کے ترجمے کے لئے مختلف تفاسیر کا مطالعہ، منطقی موضوعات پر کسی کتاب کے ترجمے کے لئے منطق اور اصول منطق سے واقفیت، احادیث کے ترجمے کے لئے حدیث و اصول حدیث کا علم، سائنسی مضامین یا علم فلسفہ پر کسی کتاب کے ترجمے کے لئے ان مضامین کے حقائق و رموز کے استنباط کی صلاحیت اور فقہی کتابوں کے ترجمے کے لئے فقہ اور اصول فقہ پر گہری نظر ہونا ناگزیر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تصوّف طبیعات، مابعد الطبیعات، ہیئت، نجوم، طب، نفسیات، علم الارض، علم الحیوانات، نباتیات،

کیمیا، ریاضی، علم الما، تجربات، ہندسہ، علم کلام اور دیگر مذہبی علوم یا معارف علوم الٰہیہ وغیرہم پر کسی کتاب کے ترجمے کے لئے لازم ہے کہ مترجم نہ صرف اس مخصوص علم کے اصول ومبادیات سے واقف ہو بلکہ ان پر گہری نظر رکھتا ہو۔ نیز جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں مترجم کے لئے دونوں زبانوں پر یعنی اس زبان پر جس سے ترجمہ کیا جا رہا ہے اور جس زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے عبور حاصل ہونا ایک امر لابدی ہے جس کے بغیر ترجمے کی کوشش سعی رائیگاں کے مترادف ہوگی۔

ادبیات خصوصاً منظوم ادبیات کے تراجم کے سلسلے میں ترجمہ کی دقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ اصل مصنّف یا شاعر اپنی زبان میں مہارت رکھنے کے علاوہ علم بیان ومعانی پر بھی عبور رکھتا ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے شہ پاروں میں اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا کے مصداق جادو جگاتا ہے۔ اسی لئے مشاہیر ادب اس بات پر متفق ہیں کہ ادبی ترجموں میں اصل ادبی شہ پاروں کی روح شاذونادر ہی باقی رہتی ہے۔ اُردو میں علامہ علی حیدر نظم طباطبائی مرحوم کا ترجمہ جو انگریز زبان کے مشہور شاعر گرے (Gray) کی ایک حزینہ نظم (Elegy) کا منظوم ترجمہ ہے اور "گورِ غریباں" کے نام سے شائع ہو کر عالمی شہرت حاصل کر چکا ہے ترجمے کی ایک نادر مثال ہے۔

علّامہ اقبالؒ کا تمام تر فارسی کلام فلسفہ کے مضامین سے پُر ہے لیکن ان مضامین کو اشعار کا خوبصورت لباس پہنا کر موصوف نے گویا بادۂ خودی کو دو آتشہ بنا دیا ہے۔ یہی وہ بے مثل آرٹ ہے جس کے ذریعہ اقبالؒ کے پیر معنوی مولانا جلال الدین رومیؒ نے شراب علم ومعرفت کے دریا بہائے ہیں ورنہ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ؎

مثنوی مولوی معنوی

ہست قرآں در زبان پہلوی

یہی قول حق علامہ اقبالؒ کے کلام پر بھی حرف بحرف صادق آتا ہے جس میں موصوف نے قرآن پاک سے ہٹ کر بقول خود ایک لفظ بھی نہیں کہا ہے اور جیسا کہ خود فرمایا ہے انھوں نے شاعری کو صرف حدی خوانی کا ذریعہ بنایا ہے ؎

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقہ بے مہار را

اسی بنا پر راقم الحروف نے ایک نظم میں اقبالؒ کو مخاطب کر کے عرض کیا تھا کہ ؎

ہے زمانے میں مسلّم فلسفہ دانی تری
ہم کو پیاری ہے مگر رسم حدی خوانی تری

لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اقبالؒ کا مرتبہ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے شاعر سے کم ہے۔ وہ اُردو کی طرح فارسی زبان پر بھی کلّی عبور رکھتے ہیں اور فارسی نظم میں علم فلسفہ کی موشگافیوں کے لئے "شاعر مشرق" نے جو پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے اس کی مثال فارسی کے کسی بڑے سے بڑے شاعر کے ہاں بھی مشکل ہی سے ملے گی۔ فارسی اشعار میں فلسفے کے دقیق ترین نکات کے بیان میں ان کے اسلوب اظہار اور اس پر ان کی مہارت تامّہ کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں فلسفے میں اقبال کا موضوعِ خاص "خودی" (Ego) ہے۔ "اسرارِ خودی" کے علاوہ "رموزِ بیخودی" میں بھی آپ کو "خودی" کے جلوے جا بجا بے نقاب نظر آئیں گے۔ "جاوید نامہ" اور "زبورِ عجم" میں ان جلووں کی تابانی بے پناہ ہو گئی ہے جن کی تاب لانا ہر شخص کے بس کی بات نہیں چہ جائے کہ ان تابانیوں کا تجزیہ کر کے انھیں کسی دوسری زبان میں پیش کیا جائے۔

دور حاضر میں ہندوستان کو تو چھوڑیئے خود اسلامی جمہوریۂ پاکستان میں مسلمانوں کو

قرآنی علوم اور عربی و فارسی سے جس قدر دلچسپی رہ گئی ہے اس کا علم کسے نہیں۔ اسی لئے راقم الحروف کی ناچیز رائے میں اردو میں کلامِ اقبال کے تراجم کا واحد مقصد یہی ہے کہ موصوف کے پیغام کو عام کیا جائے اور "خودی" کے سلسلے میں ان کی فلسفیانہ موشگافیوں کو اس طرح پیش کیا جائے کہ عوام النّاس بھی ان سے مستفید و مستفیض ہو سکیں۔ اس سلسلے میں منظوم تراجم کی افادیت سے کسے انکار ہوگا لیکن یہ خیال رہے کہ مترجمین کی مساعی پُرخلوص ہونے کے باوجود "کلامِ اقبال" کو کہیں چیستاں نہ بنا دیں اور وہ قدیم ایرانی فلسفے کی مشہور کتاب ژند کی شرح پاژند کا مصداق نہ ہو جائے۔ اس اندیشے کی سب سے بڑی وجہ اقبالؒ کے فارسی کلام کے وہ منظوم اردو تراجم ہیں جو اب تک ہمارے سامنے آئے ہیں اور جن میں باستثنائے چند فاضل مترجمین ایک ایک شعر کا اکثر و بیشتر کئی کئی اشعار میں ترجمہ کرنے کی کوشش کے باوجود "مفاہیم اقبالؒ" کو سمجھنے اور سمجھانے کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے۔

واضح رہے کہ علامہ اقبالؒ نے خودی و بیخودی کے اسرار و رموز کو عام فہم بنانے کے لئے کہیں کہیں خود سوالات قائم کئے ہیں۔ اور پھر ان کے مفصل جوابات دیئے ہیں جیسے "زبورِ عجم" کے ایک جزو "گلشنِ رازِ جدید" میں[1] لیکن کچھ دوسرے مقامات پر مزید وضاحت کی غرض سے علمِ ریاضی کی طرح کچھ مفروضات قائم کئے ہیں۔ مثلاً "جاوید نامہ" کے مختلف حصص میں علامہ موصوف نے یہی طریقہ برتا ہے۔ اور جن دقیق مسائل کو ملّتِ اسلامیہ کے استفادے کے لئے حل فرمایا ہے انہیں "حدیثِ دیگراں" کے طور پر تمثیلاً (ALLEGORICALLY) پیش کیا ہے۔

---

[1] راقم الحروف کی طرف سے اس جزو کے منظوم اردو ترجمے کی حقیر کوشش "اقبال ریویو" بابت ماہ جنوری ۱۹۷۳ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

راقم الحروف نے زیرِ نظر منظوم اردو ترجمے میں محسنِ ملت اقبالؒ کی ان وجدانی کیفیات کو ظاہر کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔ قارئین کرام سطور بالا کی روشنی میں راقم الحروف کی ان ذہنی کاوشوں اور دشواریوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو اسے اس ترجمے میں پیش آئی ہوں گی۔ فنِ ترجمہ میں اپنی ہیچ میرزی کے اعتراف کے ساتھ زیرِ نظر ترجمے کی کامیابی و ناکامی کا فیصلہ میں قارئین کرام پر چھوڑتا ہوں۔

آخر میں میں برادر محترم رئیس امروہوی، محترم ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی رئیس شعبۂ اردو جامعہ کراچی، محترم بزرگ ڈاکٹر ریاض الحسن صاحب اور مخدومی پروفیسر مسلم صاحب کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ انھوں نے راقم الحروف کو اپنی گراں قدر آرا اور مفید مشوروں سے نوازا۔ اس کے علاوہ اقبال اکادمی پاکستان نے زیرِ نظر ترجمے کی اشاعت کا بندوبست فرما کر میری اس حقیر خدمت کا جس انداز میں اعتراف فرمایا اس کا ذکر نہ کرنا بھی ناشکرگزاری ہوگی۔ مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہ۔

احقر العباد

کوکب شادانی

۱۵/۸۶۳، دستگیر سوسائٹی، فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸

اپریل ۱۹۷۵ء

رموزِ بیخودی

(ترجمۂ منظوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش کش بہ ملّتِ اسلامیّہ

اے کہ تو خود خاتمِ اقوام ہے
تجھ پہ ہر آغاز کا انجام ہے
رتبہ نبیوں کا ترے پاکوں کا ہے
دل فقط تیرے جگر چاکوں کا ہے
تو شہیدِ حسنِ ترسا زادہ ہے
تو رہِ کعبہ سے دور افتادہ ہے
تیرے کوچے کا فلک مشتِ غبار
تیرے رخ پر ہے نگاہِ روزگار

موج کی صورت ٹھہرنا شاق ہے — کس کے نظّارے کا تو مشتاق ہے؟

پیرویِ سوزش پروا نہ کر — برق میں تعمیرِ نو کاشانہ کر

عشق سے کر جان کو اک جانِ نو — مصطفیٰؐ سے باندھ تو پیمانِ نو

میں نے جب دیکھا رخِ زیبا ترا — صحبتِ ترسا سے دِل گھبرا گیا

ہم نوا خوش جلوۂ اغیار سے — داستانِ گیسو و رخسار سے

پیشِ ساقی جب جبیں فرسا ہوئے — قصّۂ مغ۔زادگان کہنے لگے

میں ہوں تیری تیغِ ابرو کا شہید — خاک کو میری ترا کوچہ ہے عید

مدح گوئی سے بہت بالا ہوں میں — غیر کے آگے کہاں جھکتا ہوں میں

جب سخن نے کر دیا آئینہ ساز — کیوں سکندر سے نہ ہوتا بے نیاز

بارِ احساں میری گردن پر نہیں — کوئی دھبّہ میرے دامن پر نہیں

مثلِ خنجر سخت کوشی میری جاں — آب دیتا ہے مجھے سنگِ گراں

میرے دریا میں نہیں بے تابیاں — کاسۂ گرداب ہے مجھ پر گراں

ہوں حجابِ رنگ، ہیں کب ہوں شمیم — میں نہیں پابندِ امواجِ نسیم
اِس شرر آباد میں اخگر ہوں میں — خود ہی خلعت یابِ خاکستر ہوں میں
تیرے در پر ہوں مگر یکسر نیاز — لے کے آیا ہوں فقط سوز و گداز
آسماں سے بارشیں ہوتی ہیں جب — میرے دل پر ہی برس جاتی ہیں سب
میں انھیں کرتا ہوں جوئے نرم رو — پھیرتا ہوں تیری جانب جو بہ جو
تو مرے محبوب کا محبوب ہے — میرے پہلو میں دلِ مطلوب ہے
جب سے ڈالی عشق نے طرحِ فغاں — دل کا آئینہ بنا اشکِ رواں
نازشِ سینہ جو تھا میرے لئے — پیش کرتا ہوں وہ آئینہ تجھے
تا کہ اپنا چہرہ اس میں دیکھ لے — اور اپنی ذات کا قائل بنے
قصۂ پارینہ، بن جائے چراغ — تازہ ہو جائیں ترے سینے کے داغ

قوم نامحرم تھی اپنی ذات سے — زندگی میں نے طلب کی اِس لئے

میں سکوتِ شب میں بھی نالاں رہا — خواب میں دنیا تھی، میں گریاں رہا

دل سکون و صبر سے محروم تھا — وردِ لب یَاحَیُّ و یَاقَیُّوم تھا

آرزو تھی خون ہو جائے اگر — اس کو آنکھوں سے بہا دوں سر بسر

تا کجا جلتا ہی میں پیہم رہوں؟ — صبح سے میں طالبِ شبنم رہوں؟

اشک ریزی شمع ساں کرتا رہوں؟ — ہر شبِ تاریک سے الجھا رہوں؟

جلوہ افزاں بن گئی میری کمی — بزم کی رونق ہے میری برہمی

سوز سے خالی مرا سینہ کہاں! — اب مرے ہفتہ میں آدینہ کہاں!

جسمِ فرسودہ میں رشتہ جان کا — آہ کا جلوہ ہے گرد آلود سا

جب مجھے صبحِ ازل پیدا کیا — نالہ حق نے عودِ[1] جاں میں بھر دیا

نالہ جس نے راز کھولا عشق کا — حسرتِ گفتار کا ہے خونبہا!

آگ کی فطرت جو دے خاشاک کو — شوخی پروانہ بخشے خاک کو

مثلِ لالہ عشق کو کافی ہے داغ — ہے گلِ نالہ گریباں کا فراغ

---

[1] ایک ساز کا نام

میں یہ گل دیتا ہوں تیرے ساز کو
اک محشر تیرے خواب ناز کو

خاک تیری اس سے ہو گی لالہ زار
ہر نفس سے آئے گی بوئے بہار

تمہید

مفہومِ ربطِ فرد و ملّت

فرد ہے ربط جماعت سے نہال
ہے یہ رشتہ اس کے جوہر کا کمال

اپنی ملّت کا دل غمخوار رہ
رونق ہنگامۂ احرار رہ

قولِ پیغمبرؐ کو حرزِ جاں بنا
"بُعد ملّت سے ہے کام ابلیس کا"

فرد و قوم آئینہ ہیں باہمدگر
جیسے نجم و کہکشاں، سلک و گہر

فرد کا ملّت سے ہے سب احترام
فرد سے قائم ہے ملّت کا نظام

فرد خود کو قوم میں جب گم کرے
قطرۂ وسعت طلب قلزم بنے

خود ہی شکل سیرت دیرینہ ہے ماضی و آئندہ کا آئینہ ہے
وصل ہے ماضی و استقبال کا وقت ہے مثل ابد لا انتہا
قلب میں ذوق نمو ملّت سے ہے اکتسابِ رنگ و بو ملّت سے ہے
ربط جسم و جاں ہے اس کا قوم سے ظاہر و پنہاں ہے اس کا قوم سے
گفتگو اس کی زبانِ قوم ہے تابعِ اسلاف، جانِ قوم ہے
گرمیِ صحبت سے ہو کر پختہ تر فرد ہو جاتا ہے ملّت سر بسر
پختگی وحدت کی گر کثرت میں ہے کثرت آئینہ صفت وحدت میں ہے
لفظ جونہی بیت سے باہر ہوا گوہر مضمون شکستہ ہو گیا
برگ تازہ گر کے اپنی شاخ سے کیا امیدِ دیدِ فصلِ گل کرے
زمزم ملّت سے جو محروم ہے نغمہ اس کے ساز کا معدوم ہے
فرد تنہا رہ کے ہے مقصد سے دور اس کی قوت میں خلل ہو گا ضرور
قوم ہی ضبط آشنا اس کو بنائے نرم رو مثلِ صبا اس کو بنائے

پا بہ گل کر دے تو وہ شمشاد ہے
لاکھ زنجیروں میں بھی آزاد ہے

وہ اگر پابندیٔ آئیں کرے
آہوئے رم خو نہ کیوں مشکیں بنے

بیخودی کو تو خودی سمجھا کیا
آج تک وہم و گماں ہی میں رہا

جوہر نوری ہے تیری خاک میں
ہے کرن اس کی نرے ادراک میں

اس کے عیش و غم سے تیرا عیش و غم
زندگی تیری ہے اس کا ایک دم

وہ ہے واحد ناگوار اس کو دوئی
اس کی ضو سے میری تیری زندگی

خود ہے قائم، خود ہی بازی، خود ہی ساز
ناز پروردہ ہے اس کا ہر نیاز

آگ کو کرتا ہے اس کا سوز تیز
ہے شرر اس کا سراسر شعلہ خیز

اس کی فطرت قید و آزادی کی شان
جزو میں اس کے ہے کل گیتی کی جان

رزم پیہم سے اسے رہتا ہے کام
ہے خودی بھی زندگی بھی اس کا نام

گاہ پنہاں پردۂ خلوت میں ہے
اور کبھی ہنگامۂ جلوت میں ہے

اپنے دل میں نقش گیر "او" ہے وہ
یا کبھی "من" سے گزر کر "تو" ہے وہ

جبر جب لیتا ہے اس کا اختیار عشق سے کرتا ہے اس کو مایہ دار
ناز جب تک ناز ہے یکسر ہے ناز حد سے آگے ناز بنتا ہے نیاز
خود شکن ملّت میں ہوتی ہے خودی برگِ گل بنتا ہے جاں گلزار کی
ہیں یہی نکتے مثالِ تیغ تیز ناسمجھ کو ھم سے لازم ہے گریز

ملّت اختلاطِ افراد سے بنتی اور اس کی تکمیل تربیت نبوّت سے ہوتی ہے

ربطِ مردم رشتۂ باہم میں دیکھ داستانِ رشتہ کو سر گم میں دیکھ
قوم میں ہے فرد بینی اپنا کام کرتے ہیں گلشن سے گل چینی مدام
فطرۃً گم اپنی یکتائی میں ہے گو تحفّظ محفل آرائی میں ہے
لوگ، فطرت کا تقاضا ہے، جلیں رزمگاہِ زندگی کی آگ میں

خوگرِ اطوارِ یکجائی بنیں — مثلِ گوہر سلکِ گوہر میں ملیں
ہوں نبرد زندگی میں یار سب — مثلِ ہمکاراں رہیں ہمکار سب
جذبِ باہم ہے ستاروں کی حیات — ہے بہم کوکب سے کوکب کو ثبات
کاروانی راہ ہیں دشت و جبل — ہے یہی قانونِ فطرت کا اٹل
سست و بیجاں تار و پود کا لیے ہے — ناشگفتہ غنچۂ پندار ہے
نغمہ، سازِ برق سے ناآشنا — تھا جو در پردہ تو در پردہ رہا
جستجو کی سختیوں سے بے خبر — آرزو کی کاوشوں سے بے خبر
خالی خالی محفلِ نوزادہ کیا! — پنبہ[۱] جس کو چوس لے وہ بادہ کیا!
سبزۂ تازہ ہے افسردہ ابھی — خوں ہے اس کے تاک[۲] کا مردہ ابھی
قصۂ دیو و پری پر ہے مدار — ڈھونڈتا ہے اپنی ہستی سے فرار
ہستیِ ناپختہ ہے خلوت گزیں — فکر میں اس کی ابھی وسعت نہیں
وقفِ بیمِ جاں ہیں اس کے آب و گِل — بادِ صرصر سے لرز جاتا ہے دِل

---

۱ روئی کا ٹکڑا ۲ شاخِ انگور

سخت کوشی اس کی عادت ہیں نہیں　　پنجہ زن دامانِ فطرت میں نہیں
جو زمیں اُگلے غنیمت ہے اسے　　یا وہی اوپر سے جو خود آ گرے
تب کہیں آتا ہے صاحب دل کوئی　　ایک دفتر جس کا ہو اک حرف بھی
نغمہ گر ایسا کہ اک آوازہ[۵] سے　　خاکِ (مردہ) کو حیاتِ تازہ دے
ذرّۂ ناچیز کو بخشے ضیا　　اور ہر پونجی کو کر دے بے بہا
اک نفس سے زندہ سو پیکر کرے　　بزم کو سرخوش بیک ساغر کرے
چشم مارے، لب مسیحائی کرے۔!　　یُوں دوئی سامانِ یکجائی کرے
ہے زمیں سے تا فلک اس کی کمند　　پارہ پارہ زندگی کی حُلّہ بند
تازہ اندازِ نظر پیدا کرے　　گلستاں تا دشت و در پیدا کرے
قوم اس کے سوز سے مثلِ سپند　　جست اس کی شور زا، ہنگامہ بند
دل میں وہ جوں ہی شرر افگن بنے　　شعلۂ در گیر مٹی کو کرے
گل کو اس کا نقشِ پا بینا کرے　　ذرّے کو غیرتِ دہ سینا کرے

---

۵ اصطلاح موسیقی میں ایسی نوا جو دو مقام سے ترکیب پائے ۱۲

عقلِ عریاں کو نیا پیرایہ دے
یعنی اس بے مایہ کو سرمایہ دے

اس کے اخگر پر ہو جب دامن فشاں
دور ہو کھوٹ اور زرِ خالص عیاں

جب غلاموں کو یہ کرتی ہے رہا
ان کو آقاؤں سے کرتی ہے جدا

اُن سے کہتی ہے کہ تم بیدم نہیں
اِن بتانِ بے زباں سے کم نہیں

رہنما ہوتی ہے سوئے مدعا
کرتی ہے آئین کو زنجیرِ پا

کرتی ہے پھر وہ درِ توحید باز
اس کو سکھلاتی ہے آئین نیاز

ملّتِ اسلامیہ کے ارکانِ اساسی

رکنِ اوّل

توحید

کچھ نہ پایا کیف وکم کی دید سے
عقل کو منزل ملی توحید سے

ورنہ اس واماندہ کی منزل کہاں — کشتیِ ادراک کا ساحل کہاں
رازِ توحید اہلِ حق پر ہے عیاں — ہے اٰتِی الرَّحمٰنِ عَبدًا[1] ابن نہاں
جو ترے اسرار تجھ پر وا کرے — امتحان ان کا عمل سے چاہیے
دین و حکمت اور آئین اس سے ہے — زور و قوّت اور تمکین اس سے ہے
عالموں کو جلوۂ حیرت کا محل — عاشقوں کے حق میں پیغامِ عمل
اس کا سایہ پست کو بالا کرے — خاک کو اکسیر کی تاثیر دے
اس کی قدرت بندے کو اجلال دے — اور اسے نوعِ دگر میں ڈھال دے
تیز ہو جاتی ہے اس کی دوڑ دھوپ — خوں رگوں میں برق کا لیتا ہے روپ
مرگِ بیم و شک عمل کی ہے حیات — دیکھتی ہے آنکھ قلبِ کائنات
جب مقامِ عبدہٗ محکم ہوا — کاسۂ دریوزہ جامِ جم ہوا
ملّتِ بیضا ہے تن، جاں لَآاِلٰہ — ہے ہمارا ساز و ساماں لَآاِلٰہ

---

[1] آیۂ شریفہ۔ اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی زمین و آسمان میں جو رازہائے سربستہ ہیں وہ خدائے کریم نے اپنے بندے پر کھول دیے ہیں۔ (کوکب)

یہ ہمیں سرمایۂ اسرار ہے — اور یہی شیرازۂ افکار ہے

لب سے دل تک اس کا بس ہوتا ہے دور — زندگی کا زور بڑھ جاتا ہے اور

نقش اس کا سنگ کو کرتا ہے دل — دل ہو اغافل تو بن جاتا ہے گِل

ہم جو گزرے سوزِ غم کی راہ سے — خرمنِ امکاں جلایا آہ سے

آب دل ہے سینۂ انساں کا ساز — سوز اس آئینے کو کرتا ہے گداز

ہے اسی شعلے کی رگ رگ میں نمود — کچھ نہیں اس کے سوا اپنا وجود

ہے فقط توحید ہی کا یہ کمال — خویش ہیں فاروقؓ و بوذرؓ کے بلالؓ

دل ہے وجہِ خویشی و بیگانگی — شوق کی مستی ہے ہم پیمانگی

ہے دلوں کی یکرخی ملّت کا نور — ایک ہی جلوے سے روشن ہے بہ طور

قوم کی زد ایک ہونا چاہیے — فکر و مقصد ایک ہونا چاہیے

جذبۂ فطری ہو ایک، اظہار بھی — نیک و بد کا ایک ہو معیار بھی

ہو نہ جب تک سوزِ حق دمسازِ فکر — کس طرح ممکن ہے یہ اندازِ فکر؟

ہم مسلماں سب ہیں اولادِ خلیل ۔۔۔ میرے دعوے کی اَبِیکُمْ ہے دلیل[1]
ہے وطن سے ربطِ تقدیرِ امم؟ ۔۔۔ ہے نسب بنیادِ تعمیرِ امم؟
اصلِ ملّت کی وطن ہیں جستجو ۔۔۔ بادو آب وگِل کی پوجا کو بجو!
ہاں، نسب کی لن ترانی ہے فضول ۔۔۔ افتخارِ جسمِ فانی ہے فضول
اپنی ملّت کی بنا ہے دوسری ۔۔۔ اس بنا کی دل سے ہے وابستگی
ہم ہیں حاضر، دل ہے غائب کا اسیر ۔۔۔ صیدِ این و آں نہیں اپنا ضمیر
اپنا رشتہ رشتۂ مستور ہے ۔۔۔ ہے نظر لیکن نظر سے دور ہے
تیر خوش پیکانِ یک ملّت ہیں ہم ۔۔۔ یک نما، یک بین ویک نیّت ہیں ہم
مدّعا اپنا مآل اپنا ہے ایک ۔۔۔ طرز و اندازِ خیال اپنا ہے ایک
نعمتوں سے اس کی ہم اخواں[2] ہوئے ۔۔۔ یک زبان و یک دل و یکجاں ہوئے

---

[1] آیۂ شریفہ۔ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ کی طرف اشارہ ہے۔
[2] بھائی بھائی۔ مشہور حدیث کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَۃٌ کی طرف اشارہ ہے۔
(کوکب)

یاس و حزن اور خوف ام الخبائث اور قاطع حیات ہیں ان امراضِ خبیثہ کا ازالہ (صرف) توحید سے ہوسکتا ہے

موت کا ساماں ہے قطعِ آرزو　　جاں کا استحکام ہے لَاتَقْنَطُوْا[1]
آرزو ہی زندگی کی لہر ہے　　ناامیدی زندگی کو زہر ہے
یہ فشارِ قبر ہے تیرے لئے　　تو جبل بھی ہو تو یہ ٹکڑے کرے
ناتوانوں سے ہے اس کا ربط و ضبط　　نامرادی کو ہے اس سے خاص ربط
زندگانی کے لئے ہے موت یاس　　زندگی آتی ہے کمزوروں کو راس؟
دیدۂ جاں کو بھی یہ اندھا کرے　　روزِ روشن کو شبِ یلدا کرے
یہ قوائے زندگی کی موت ہے　　چشمہ ہائے زندگی کی موت ہے
غم کے ماروں کا کفن ہوتی ہے یاس　　نشترِ رگہائے تن ہوتی ہے یاس
اے کہ تجھ پر کثرتِ غم کا ہے دور　　کر نبیؐ کے درسِ لَاتَحْزَنْ[2] پہ غور

---

[1] آیۂ شریفہ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ـــ کی طرف اشارہ ہے۔
[2] آیۂ شریفہ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کی تلمیح ہے۔
(کوکب)

بوبکرؓ صدیق اس سے ہو گئے ۔۔۔ سرخوشِ تحقیق اس سے ہو گئے
بندۂ حق کو کب زر بیز ہے ۔۔۔ راہِ ہستی میں تبسم ریز ہے
بندۂ حق ہے تو غم سے ہو رہا ۔۔۔ تو خیالِ بیش و کم سے ہو رہا
زورِ ایماں سے فزوں ہوگی حیات ۔۔۔ کر تو لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ[1] ہی کی بات
جانبِ فرعون اگر جائے کلیم ۔۔۔ دل ہے اس کا لَاتَخَفْ[2] سے مستقیم
خوفِ غیر اللہ عمل میں ٹوک ہے ۔۔۔ کاروانِ زندگی کی روک ہے
عزم اس سے ممکنات اندیش ہے ۔۔۔ ہمّتِ عالی تامّل کیش ہے
تخم اگر یہ تیری مٹّی میں پڑا ۔۔۔ زندگی کا روپ سے رشتہ گیا
اس کی فطرت ناتوانی کا شکار ۔۔۔ دست و دل لرزاں اُسے ہیں سازگار
چور ہے یہ طاقتِ رفتار کا ۔۔۔ ذہن کی جولانیِ افکار کا
گر عدو ڈرپوک تجھ کو دیکھ لے ۔۔۔ شاخِ گل سے مثلِ گل توڑے تجھے
خوف اپنے پاؤں کی زنجیر ہے ۔۔۔ اپنا دریا ورنہ عالمگیر ہے

---

[1] آیۂ شریفہ - لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ کی طرف اشارہ ہے [2] آیۂ قرآنی لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی کی تلمیح ہے - (کوکب)

باہمہ کوشش جو بے آہنگ ہے — بیم ہی سے نرم تارِ چنگ ہے
گوش تابیؔ[ل] سے اسے کر نغمہ خیز — نالے سے کر دے فلک پر رستخیز
خوف کیا ہے؟ موت کا جاسوس ہے — تیرگی سے جس کا دل مانوس ہے
آنکھ اس کی بر ہمیِّ کارِ زیست — کان اس کے رہزنِ اخبارِ زیست
تیرے دل میں جو بھی پوشیدہ ہے شر — خوف سے ہے، غور سے دیکھے اگر
چاپلوسی، مکر و کیں یا ہو دروغ — خوف ہی سے ان کو ملتا ہے فروغ
پردہ دارِ مکر اس کا پیرہن — اس کا دامن فتنہ پرور، پُر فتن
پختگی ہے اس کی ہمت کا تضاد — اس لئے ناسازگاری سے ہے شاد
جو رموزِ مصطفےٰ پہچان لے — خوف میں ہے شرک مضمر جان لے

تیر کی شمشیر سے گفتگو

تیر نے جو کچھ کہا شمشیر سے — اس کو سنئے خود زبانِ تیر سے

[ل] اصطلاح موسیقی میں تار کسنے کے لئے ساز کی کھونٹی مروڑنا ۔ کوکنا

ہے صفت پریوں کی تیرے قاف میں
تیغِ حیدرؓ ہے ترے اسلاف میں

دستِ خالدؓ کی حنا بندی ہے تو
شام پر بن کر شفق بکھری ہے تو

آتشِ قہرِ خدا! اے حفظِ دیں!
زیرِ سایہ ہے ترے خلد بریں

میں ہوا میں ہوں کہ ترکش میں نہاں
ہوں سراپا آتشِ شعلہ فشاں

سوئے سینہ جب میں جاتا ہوں مگر
اندرونِ سینہ جاتی ہے نظر

ہو نہ سینے میں اگر قلبِ سلیم
اور ہو بھی کچھ تو حزن و یاس و بیم

اس کو کر دیتا ہوں ٹکڑے بالیقیں
بخشتا ہوں خون کی نیم آستیں

ہاں اگر ہو قلبِ مومن جلوہ پاش
نورِ باطن پر ہو ظاہر کی معاش

پھر میں ہوتا ہوں گلِ نم کی طرح
نوک جھڑ جاتی ہے شبنم کی طرح

حکایتِ شیر و شہنشاہ عالمگیرؒ

شاہِ عالمگیرؒ، وہ گردوں وقار
خاندانِ گورگاں کا اعتبار

مومنوں کا رتبہ برتر اس سے ہے	عزتِ دینِ پیمبرؐ اس سے ہے
وہ میانِ کارزارِ کفر و دیں	اپنے ترکش کا خدنگِ آخریں
تخمِ مردہ اکبری الحاد کا	از سرِ نو طبع دارا میں اُگا[1]
جا چکی تھی شمع دل کی روشنی	قوم اپنی فتنوں سے خالی نہ تھی
حق نے چُن کر شاہ عالمگیرؒ کو	اُس فقیر اور صاحبِ شمشیر کو
ہند میں احیائے دیں کے واسطے	کارِ تجدید یقیں سونپا اُسے
توڑ دی اس نے کمر الحاد کی	بزم میں پھر شمعِ دیں روشن ہوئی
کور ذوقوں نے فسانے گھڑ لئے	وسعت ادراک سے واقف نہ تھے
شعلۂ توحید کا پروانہ تھا	وہ تھا ابراہیمؑ، یہ بتخانہ تھا
صف میں شاہوں کی ہے بےمثل آج بھی	قبر تک شاہد ہے اس کے فقر کی
ایک دن وہ زینتِ تاج و سریر	وہ سپہدار اور شہنشاہ و فقیر
سیر کرنے صبح جنگل میں گیا	اک غلامِ باوفا بھی ساتھ تھا

---

[1] دارا شکوہ کے الحادی افکار کی طرف اشارہ ہے ۱۲ (کوکب)

تھا ہوائے صبحگاہی میں سرور ہر شجر پر چہچہاتے تھے طیور
تھا شہِ رمز آشنا محو نماز تھی حقیقت کی طرف چشمِ مجاز
ناگہاں جنگل سے نکلا شیرِ ببر اک قیامت تھی کہ آواز ہزبر[۵۱]
بوئے انساں سے ہوا جب باخبر پنجہ مارا اس نے شہ کی پشت پر
شہ نے بے دیکھے ہی خنجر کھینچ کر پارہ پارہ کر دیا اس کا جگر
خوف سے خالی رہا قلبِ دلیر شیر قالیں ہو گیا جنگل کا شیر
تھا یہ بندہ بندۂ مقبولِ حق مثلِ سابق ہو گیا مشغولِ حق
ایسا قلبِ خود نما و خود شکن سینۂ مومن میں رکھتا ہے وطن
بندۂ حق پیش مولیٰ کچھ نہیں سامنے باطل کے ہے حصنِ حصیں[۵۲]
تو بھی اے نادان ایسا دل بنا اپنے شاہد کے لئے محمل بنا
خود کو کھو کر، کر خودی کی جستجو بن نیاز آگیں و قلبِ ناز جو
عشق کو آتش زن اندیشہ کر روبہ حق بن کے شیری پیشہ کر

---

[۵۱] ہزبر۔ شیر [۵۲] مضبوط قلعہ (کوکب)

خوفِ حق ایمان کا عنوان ہے　　　خوفِ دیگر شرک کی پہچان ہے

رکنِ دوم

رسالت

ہے خلیلی لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ[1]　　　انبیا کے واسطے حق الیقین
وہ خدائے لم یزل کی روشنی　　　اس کے دل میں آرزو ملت کی تھی[2]
دیدۂ بیدار، وہ قلبِ ملول　　　وہ پیامِ طَهِّرَا بَیْتِیَ نہ بھول[3]
دشتِ ویراں میں وہی ساکن رہا　　　اس نے بیت اللہ کی ڈالی بنا
تُبْ عَلَیْنَا نے کھلایا گلستاں　　　اس سے اپنا لہلایا گلستاں
پہلے حق نے صرف تن پیدا کیا　　　پھر رسالت سے اسے جاں کی عطا

---

[1] قرآنی الفاظ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے قول کی تلمیح۔ ۱۲ (کوکب)

[2] آیۂ شریفہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ الخ کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ (کوکب)

[3] آیۂ شریفہ وَعَهِدْنَا اِلٰی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ الخ کی تلمیح ہے۔ ۱۲ (کوکب)

ہم کہ پہلے حرفِ بے آواز تھے
اس طرح سے مصرعِ موزوں بنے

ہے رسالت اپنی تکوین کی بنا
ہے رسالت دین و آئیں کی بنا

بس رسالت ہی سے ہم واحد بنے
جزو لاینفک ہیں سب ایک ایک کے

کہہ کے حق نے ہم سے یَهْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ
حلقہ بندی کی رسالت سے مزید

حلقۂ ملّت محیط افزا ہوا
اس کا مرکز وادیٔ بطحا ہوا

ہم اسی نسبت سے ملّت بن گئے
دہر کو پیغامِ رحمت بن گئے

بحر سے ہوتے ہیں جب مائل بہ اوج
رہتے ہیں مربوط ہم سب مثلِ موج

زیرِ دیوارِ حرم ہو کر دلیر
گونجتے ہیں جس طرح جنگل میں شیر

بات یہ دل میں ترے اترے اگر
ہو رسا صدیق اکبرؓ تک نظر

قوّتِ قلب و جگر ہوگا رسولؐ
حق سے بھی محبوب تر ہوگا رسولؐ

اس کا قرآں زور و قوّت کی نوید
اس کی حکمت ہے ہمیں حَبْلُ الْوَرِیْدِ

اس کا دامن چھوڑنا ہی موت ہے
باد صرصر جیسے گل کی موت ہے

قوم اس کے دم سے صورت یاب ہے — یہ سحر، وہ مہرِ عالمتاب ہے
فردِ حق سے، ملّت اس سے زندہ ہے — اس کے مہرِ فیض سے تابندہ ہے
بس اسی سے ہم نوا ہم ہو گئے — ہم نفس، ہم مدّعا ہم ہو گئے
باہمی کثرت میں ہے وحدت کی شکل — یکجہتی وحدت کی ہے ملّت کی شکل
زندہ وحدت سے ہے کثرت قوم کی — دینِ فطرت سے ہے وحدت قوم کی
دینِ فطرت کو نبیؐ سے سیکھ کر — ہم چراغِ راہِ حق ہیں سر بسر
اس گہر کا ہے وہی موّاج یم — ہم جو یکجاں ہیں اسی کا ہے کرم
جبتک اس وحدت کی ملّت ہے امیں — اپنی ہستی بھی ابد کے ہے قریں
حق نے جب ہم پر شریعت ختم کی — شانِ وحدت پر رسالت ختم کی
ہم ہیں رونق محفلِ ایّام کی — حدِ رسالت کی وہ، ہم اقوام کی
ہم کو جب ساقی گری کا حق ملا — جام ہیں جو کچھ تھا وہ بھی مل گیا
لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ حق کا ہے کرم — اس کرم کے مستحق ٹھہرے ہیں ہم

له مراد نبی کریمؐ ۔

قوم کا سرمایۂ قوّت ہے یہ　　حفظِ راز وحدتِ ملّت ہے یہ
حق نے ہر دعوے کو باطل کر دیا　　تا ابد اسلام کو دل کر دیا
ردِّ غیر اللہ عمل مسلم کا ہے　　نعرۂ لَاقَومَ بَعدِیْ اپنا ہے

بیانِ مقصودِ رسالتِ محمدّیہ جو تشکیل و تاسیسِ حرّیت اور مسَاوات واخوّتِ بنی آدم کی بنیاد ہے

تھا جہاں میں آدمی انساں پرست　　ناکس ونابود تھا اور زیر دست
سطوتِ کسریٰ وقیصر کا غلام　　راہ میں اس کی بچھائے جس نے دام
کاہن ورہبان وسلطان وامیر　　ایک تھا نخچیر لاکھوں صید گیر
پیرِ مذہب، اور اہلِ تخت وتاج　　لیتے اس کی کشتِ ویراں سے خراج
ہر طرف اُسقف کلیسا کے تمام　　حرص جنّت کے لئے پھرتے تھے دام

حدیث شریف مشہور۔ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ کوکب

برہمن گل چیں تھا اس کے باغ کا — پھونک ڈالا مُغ بچوں نے جو بچا
اک امیں نے بن کے تب حق آشنا — رتبۂ خاقان غلاموں کو دیا
سرفرازی اس نے مزدوروں کو دی — اور اُن امیروں سے امارت چھین لی
کہنہ پیکر کھا گئے اس سے شکست — نوعِ انساں کا ہوا پھر بند و بست
جسمِ انساں میں نئی جان آگئی — زندگی ابھری خداوندی گئی
اس کی پیدائش قدامت کی تھی موت — ہو گئے دیر و کلیسا سارے فوت
اس کے دل سے حریت پیدا ہوئی — یہ مئے نوشیں ہے اس کے تاک کی
عصرِ نو جس سے جہاں آباد ہے — یہ اسی انساں کا خانہ زاد ہے
زندگی کو اس نے نقشِ نو دیا — پیش کر دی امتِ گیتی کشا
جو خیالِ ماسوا سے دور ہے — اور حُبِ مصطفٰےؐ میں چور ہے
گرمیِ حق سے ہے امت سینہ تاب — ذرہ ہے شمعِ حریمِ آفتاب
شش جہات اس کیف سے رنگیں بنے — چین کے بتخانے کعبے بن گئے

اس کے آبا میں ہیں کتنے انبیا — پیش حق اکرم ہیں اس کے اتقیا[لہ]
کُلُّ مُومِنُ اِخْوَۃ اس کے دل میں ہے — حریت ہی اس کے آب و گل میں ہے
تھی خلافِ امتیازات اس کی ذات — طرح اندازِ مساوات اس کی ذات
سرو کی صورت تھی آزاد اس کی آل — پختہ تھی قالُوبَلیٰ سے خود مقال
حق کے سجدے گل بسیما ہو گئے — مہر و مہ نے پاؤں پر بوسے دیئے

بوعبید اور جابان کی حکایت اخوّت اسلامیہ کی روشنی میں

ہو گیا افواجِ ایراں کا امیر — جنگ میں اک مردِ مسلم کا اسیر
گرگِ باراں دیدہ تھا، عیّار تھا — حیلہ جو تھا، پُرفن و مکّار تھا
کیا بتا تا مرتبہ اپنا بھلا — نام بھی جب اس نے پوشیدہ رکھا

لہ آیۂ شریفہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کی طرف اشارہ ہے۔ (کوکب)

مردِ مسلم سے مگر چاہی اماں — اس کے ایماں کو بھی لایا درمیاں
سن کے یہ بولا وہ مردِ نیک نام — "خوں بہانا تیرا مجھ پر ہے حرام"
جب درفشِ کاویانی[1] گر چکا — کوکبِ اولادِ ساساں پھر چکا
تب ہوا معلوم وہ جاباں ہے — خود امیرِ لشکرِ ایران ہے
دی خبر اس کی سپہ سالار کو — قتل کرنے پر تُلے مکّار کو
بوعبیدہ[2] سیّدِ فوجِ حجاز — جنگ میں بھی فوج سے تھے بے نیاز
"ہم مسلماں ہیں" کہا "اے دوستو! — تم بھی سب اک ساز ہی کے تار ہو
صوتِ حیدرؓ ہے نوائے بوذری — ایک ہیں حلقِ بلالؓ و قنبری
ہم میں جو بھی ہے امینِ قوم ہے — صلح و کیں بھی صلح و کینِ قوم ہے
قوم ہوتی ہے اساسِ جانِ فرد — قوم کا پیمان ہے پیمانِ فرد
گرچہ جاباں ہے ہمارا نیش جاں — ایک مسلم نے اسے دی ہے اماں
یاد رکھو اے امّتِ خیر الانام! — ہے مسلمانوں پہ خوں اس کا حرام"

---

[1] ایرانی علم [2] حضرت ابوعبیدہ ابن جراح سپہ سالار لشکرِ اسلام۔ (کوکب)

سلطان مراد اور معمار کی حکایت مساواتِ اسلامیہ کی روشنی میں

ایک معمار خجندی تھا کبھی — دور تک شہرت تھی اس کے نام کی
جب ملا فرمان سلطانِ مراد — مسجد اک تعمیر کی عالی نہاد
وہ مگر آئی نہ سلطاں کو پسند — ناسزا ٹھہرا وہ معمار خجند
ہوگیا سلطان اتنا خشمگیں — کاٹ ڈالا ہاتھ خنجر سے وہیں
پیش قاضی مرد بیچارہ گیا — راہ میں پہنچے سے خوں بہتا رہا
جا کے قاضی سے کہی سب داستاں — اور دکھایا اپنا دستِ خونچکاں
"ہے پیامِ حق" کہا "تیرا کلام — حفظِ آئینِ محمدؐ تیرا کام
سطوتِ سلطاں سے مجھ کو مت ڈرا — کر مرا از روئے قرآں فیصلہ"
پہلے قاضی نے چبائے اپنے لب — پھر کیا سلطان کو اس نے طلب

ہیبتِ قرآں سے سلطاں کانپتا
مثلِ مجرم سامنے حاضر ہوا

شرم کے مارے نگاہیں تھیں جھکی
سرخ تھے سلطان کے رخسار بھی

تھا اُدھر فریادیِ دعویٰ گزار
اِس طرف شاہنشہِ گردوں وقار

عرض کی سلطان نے اے عالی وقار!
ہوں خطا پر اپنی بے حد شرمسار"

بولے قاضی "ہے قصاص اصلِ حیات[1]
زندگی کو ہے اس آئیں سے ثبات

عبدِ مسلم کم ہے کیا احرار سے!
شہ کا خوں بہتر ہے کیا معمار سے؟

شاہ نے سنتے ہی ان کلمات کو
آستیں الٹی بڑھایا ہات کو

مدعی یہ دیکھ کر آگے بڑھا
آیۂ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانْ[2] پڑھا

پھر کہا "بہرِ خدا بخشا اسے
میں نے بہرِ مصطفیٰؐ بخشا اسے

اس مقامِ شاہ و صنعت گر کو دیکھ
سطوتِ آئینِ پیغمبر کو دیکھ

پیشِ قرآں بندہ و مولیٰ ہیں ایک
بوریا اور مسندِ دیبا ہیں ایک

---

[1] آیۂ شریفہ وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یَا اُولِی الْاَلْبَابِ کی طرف اشارہ ہے۔ [2] آیۂ شریفہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ کی تلمیح ہے۔ (کوکب)

بیان حرّیتِ اسلامیّہ و سرّ حادثۂ کربلا

جو ہے وابستہ ہُوَ المَوجُوْد سے — ہے وہی آزاد ہر معبود سے
عشق ہے مومن سے، مومن عشق سے — امرِ ناممکن ہے ممکن عشق سے
عقل ہے سفّاک، وہ سفّاک تر — پاک تر، چالاک تر، بیباک تر
عقل ہے پابندِ اسباب و علل — عشق ہے جانبازِ میدانِ عمل
عشق کرتا ہے بزورِ دست رام — عقل مکّاری کا پھیلاتی ہے دام
بیم و شک ہیں عقل و دانش کا مزاج — عشق ہے عزم و یقیں کا امتزاج
اس کی تعمیروں میں ویرانی نہاں — اس کے ویرانے سے آبادی عیاں
عقل ارزاں مثل باد و آب ہے — بے بہا ہے عشق اور کمیاب ہے
عقل کا مرکز اساس چون و چند — عشق عریاں بے لباس چون و چند
عقل کہتی ہے کہ آگے آیئے — عشق کا قول، امتحاں فرمایئے

عقل کا علمی ذریعہ اکتساب   عشق فضلِ رب سے ہے اپنا حساب

عقل کا فرماں ہے آبادی، خوشی   عشق کا آئین ہے آزادگی

حرّیت ہے عشق کا آرام جاں   اس کے ناقے کی یہی ہے ساربان

عشق نے اک روز وقتِ کارزار   کر دیا عقلِ ہوس پیشہ کو خوار

وہ امامِ عاشقاں، ابنِ بتولؓ   سروِ آزادِ گلستانِ رسولؐ

بائے بسم اللہ شہادت کی پدر   معنی ذِبحٍ عظیمٍ[۱] اس کا پسر

تھا پئے شہزادہ خیر الملل   دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل[۲]

سرخ رو ہے عشق اسکے خون سے   زندہ ہے یہ قول اسی مضمون سے

امّتِ مسلم کی ہے وہ جان ہیں   قُلْ ھُوَ اللہ جیسے ہے قرآن ہیں

موسیٰؑ و فرعون، شبیرؑ و یزید   قوتیں یہ کب رہی ہیں ناپدید[۳]

قوّتِ شبیرؑ ہے حق کا چراغ   قسمتِ باطل ہے محرومی کا داغ

۱؎ آیۂ شریفہ وَفَدَیْنَاہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ کی طرف اشارہ ہے ۲؎ حدیث قدسی نِعْمَ الْجَمَلُ جَمَلُکُمَا وَنِعْمَ الْعَدْلَانِ اَنْتُمَا کی طرف اشارہ ہے (سو کتب) ۳؎ ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی (اقبال)

جب خلافت ہو گئی قرآں سے دور — حریّت میں ہو گیا پیدا فتور

تب اٹھا وہ سرورِ خیر الامم — لے کے مثلِ ابرِ باراں در قدم

کربلا پر جا کے برسا، کُھل گیا — کتنے ویرانوں کو دے کر گُل گیا

فکر ہائے جورِ مستقبل گئے — خون سے اس کے گلستاں کھل گئے

خاک و خوں میں لوٹ کر وہ حق پناہ — بن گیا آخر بنائے لا الٰہ[۱]

سلطنت ہوتی اگر پیشِ نظر — بے سر و ساماں نہ کرتا یوں سفر

اُس طرف اعدائے دیں تھے بیشمار — اس طرف خالی بہتّر دوستدار

سِرِّ ابراہیم و اسمٰعیل تھا — یعنی اُس اجمال کی تفصیل تھا

اس کا عزم پختہ مثل کوہسار — تھا نہایت پائدار اور کامگار

تیغ ہے بس عزّتِ دیں کے لئے — گر اٹھے تو حفظِ آئیں کے لئے

کوئی مسلم غیر کا بندہ نہیں — ماسوا کے سامنے جھکتا نہیں

اس کے خوں نے راز یہ افشا کیا — ملّتِ مردہ کو زندہ کر دیا

۱؎ حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین ـ

تیغِ "لا" کو اس نے جب عریاں کیا
خوں رگِ اربابِ باطل سے بہا

نقشِ اِلَّا اللّٰہ صحرا پر لکھا
بخششِ امّت کا ساماں کر دیا

رمزِ قرآنی ہمیں سمجھا گیا
رازِ ایمانی ہمیں سمجھا گیا

وہ فروغِ شام و بغداد اب کہاں
مٹ گیا غرناطہ کے فر کا نشاں

ہم ہیں زندہ قوّتِ شبیرؓ سے
تازہ ہے ایماں اسی تکبیر سے

آنکھ سے نکلے تو اشکِ چشم تر
کاش پہنچے اس کی خاکِ پاک پر

چونکہ ملّتِ محمّدیہ کی بنیاد توحید و رسالت پر ہے اس لئے حدودِ مکانی سے بے نیاز ہے

اپنا جوہر کیوں ہو پابندِ مقام
اس کی صہبا کا نہیں جب کوئی جام

ہندی و چینی سفالِ جام ہے
رومی و شامی گلِ اندام ہے

اپنے دل کو ہند و روم و شام کیا
مرز و بوم اپنی بجز اسلام کیا

پیشِ پیغمبرؐ جو کعبؓ خوش نہاد — لے کے آئے ہدیہ بَانَتْ سُعَادُ[1]
وصفِ پیغمبرؐ میں جب کھولی زبان — سیفِ ہندی بھی بتائی اُنکی شان
آسماں سے جن کا رتبہ تھا بلند — ان کو یہ نسبت کہاں آتی پسند
ٹوک کر بولے نہ یہ فقرہ کہو — مجھ کو سَیفٌ مِنْ سُیُوْفُ اللّٰہ کہو
تھے پیمبرؐ رازدانِ جزو کل — خاکِ پا تھی سرمۂ چشمِ رُسُل
چھوڑ کر امت کی دنیا میں جو تھا — طاعت و طیب و نسا کو لے لیا
ڈالئے امّت کی دنیا پر نظر — منکشف ہوگا یہ رمزِ مستتر
رہ کے دنیا میں سراپا تھا الگ — آپ کا مقصودِ دنیا تھا الگ
حضرتِ آدمؑ جب آب و گِل میں تھے — آپ تب بھی نور کی محفل میں تھے[2]
مرز و بوم اس کی بھلا مجھے معلوم کیا — یہ خبر ہے، تھا ہمارا آشنا
یہ عناصر کب بنے اس کا جہاں؟ — وہ جہاں میں تھا ہمارا میہماں
ہم عناصر کے جہاں میں گم ہوئے — سب کے سب اس خاکداں میں گم ہوئے

---

[1] مدحِ رسولؐ میں حضرت کعبؓ کے قصیدہ کا عنوان ۱۲ [2] حدیث قدسی کُنْتُ نَبِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ کی طرف اشارہ ہے۔ (کوکب)

تو مسلماں ہے تو بن عالم پسند / چھوڑ دے راہِ جہانِ چون و چند
مقصدِ مسلم نہیں ہے مرز و بوم / ہے فضول اس کو خیالِ شام و روم
ہے اگر دنیا تو ہے دنیائے دل / اس میں گم ہے یہ سرائے آب و گل
قومیت مسلم کی ہوتی ہی نہیں / ہے یہ رمزِ ہجرتِ آقائے دیں
اس کی حکمت کو کوئی دیکھے ذرا / ایک کلمے پر ہے ملّت کی بنا
ہے یہی تو بخششِ سلطانِ دیںؐ / اپنی مسجد ہے یہ سب روئے زمیں
جس کا قرآں میں خدا ہے مدح خواں / کر لیا تھا جس سے عہدِ حفظِ جاںؐ[ل]
اس کی ہیبت سے عدو مجبور تھے / لرزہ بر اندام تھے معذور تھے
پھر وطن سے کس لئے باہر گیا؟ / بھاگ نکلا؟ دشمنوں سے ڈر گیا؟
دشمنوں نے قصّے پر قصّہ گھڑا / معنیِ ہجرت کوئی سمجھا نہ تھا
ہے یہی مسلم کا آئینِ حیات / ہیں نہاں ہجرت میں اسبابِ ثبات
اس کا مطلب ہے تنک آبی سے رم / ترکِ شبنم ہے رہِ تسخیرِ یم

ل آیۂ شریفہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کی طرف اشارہ ہے ۔۱۲ (کوکب)

ترکِ گل سے گلستاں مقصود ہے
وہ زیاں پیرایہ بندِ سود ہے

ہے جہاں گردی میں سورج کا بھرم
عرصۂ آفاق ہے زیرِ قدم

ہے ندی کی طرح کیوں یاراں طلب
بے کراں بن جا، نہ بن پایاں طلب

یہ سمندر ایک دشتِ سادہ تھا
لے کے ساحل پانی پانی بن گیا

دل میں رکھ تو قصدِ تسخیرِ تمام
تا کہ ہو جائے فراگیر تمام

مثلِ ماہی بحر میں آباد ہو
ساحلوں کی قید سے آزاد ہو

ترکِ گل سے بوئے گل آزاد ہے
یہ حدود باغ میں ناشاد ہے

تو چمن میں پڑ گیا ہے ایک جا
مثلِ بلبل ایک گل کا ہو رہا

پھینک دے مثلِ صبا بارِ قبول
گرم سیری کو بنا اپنا اصول

عصرِ نو کی چال سے ہشیار رہ
اس رہِ بدفال سے ہشیار رہ

وطن اساسِ ملت نہیں ہے

اس طرح قطعِ اخوت؟ مرحبا!
ملک پر بنیادِ ملّت؟ مرحبا!

خلد سمجھے جس کو تھا بِئْسَ الْقَرَارُ   پڑھو اَحَلُّوْا قَوْمَھُمْ دَارَ الْبَوَارِ[1]
لو، وطن کو شمع محفل کر دیا   نوعِ انساں کو قبائل کر دیا!!
اس نے دنیا کو جہنم کر دیا!   جذبۂ پیکار بار آور ہوا
مردمی دنیا میں افسانہ ہوئی   آدمی ہے آدمی سے اجنبی
نوعِ انسانی کی یوں جڑ کٹ گئی   آدمیت قومیت میں بٹ گئی
مسندِ مذہب سیاست کو ملی   یہ کلی بستانِ مغرب میں کھلی
قصۂ دینِ مسیحا اب کہاں   شعلۂ شمعِ کلیسا اب کہاں
اب کہاں باقی وہ زورِ اُسْقُفی   استخواں ہے روحِ مذہب اڑ گئی
قوم نے اوجِ کلیسا کھو دیا   نقدِ آئینِ چلیپا کھو دیا
دہریت مذہب کو سمجھی جب فضول   حضرتِ شیطاں سے آیا اک رسول
اللہ اللہ اجرِ آں میکاولی[2]   چشمِ انساں سے بصیرت چھین لی

---

[1] آیۂ شریفہ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ کُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَھُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَہَنَّمَ یَصْلَوْنَھَا وَ بِئْسَ الْقَرَارُ کی طرف اشارہ ہے ۱۲ [2] کتاب الملوک کا مصنف میکاولی۔ فلارنس میں پیدا ہونے کی بنا پر اقبال نے اسے فلارنسادی کہا ہے۔ (کوکب)

بادشاہوں کے لئے لکھ کر کتاب — اس نے کھولا باہمی جنگوں کا باب
اس نے تاریکی سے رشتہ جوڑ کر — رکھ دیا پیمان حق کو توڑ کر
بت تراشے اس نے آذر کی طرح — نقش باندھے قلب بتگر کی طرح
کس قدر بے دین تھا باطل نگار — مملکت کو کہہ گیا پروردگار
تھا اسے تکیہ اسی معبود پر — نقد حق پرکھا عیار سود پر
نقشِ باطل رنگ و روغن بن گیا — مکر اس تعلیم سے فن بن گیا
اس نے تدبیر زبوں فرجام سے — جادۂ ہستی میں کانٹے بھر دیئے
کہہ کے فن بگڑی ہوئی تصویر کو — مصلحت بتلا گیا تزویر کو

ملّت محمدؐیہ بربنائے وعدہ ووام حدود زمانی سے بھی آزاد ہے

فصلِ گل میں جوش بلبل دیکھئے — رستخیزِ غنچہ و گل دیکھئے

ہیں یہ کلیاں یا عروسانِ حسیں   بن گیا گلشن ستاروں کی زمیں
آبِ جُو نے دیں جو اس کو لوریاں   اوس کھا کر ہو گیا سبزہ جواں
شاخ پر جو غنچۂ تازہ کھلا   گود میں بادِ سحر نے لے لیا
دستِ گلچیں سے جو غنچہ خوں ہوا   مثلِ بو گلشن سے باہر چل دیا
آئی قمری اور بلبل اُڑ گئی   آمدِ شبنم سے خوشبو چل بسی
لاکھ جائیں لالۂ ناپائدار   کم نہ ہو گی رونقِ فصلِ بہار
ہو زیاں، گنجِ فراواں ہے وہی   محفل میں گلہائے خنداں ہے وہی
فصلِ گل ہے سِن سے پختہ تر   غنچہ و سرو سخن سے پختہ تر
کوئی گوہر ٹوٹ بھی جائے اگر   کانِ گوہر پر نہیں پڑتا اثر
مشرق و مغرب کی لاکھوں صبح و شام   ہو گئیں غائب دکھا کر اپنا کام
ہم گئے تو میکدے کا کیا گیا   دورِ ماضی جا کے بھی فردا رہا
جبکہ ہے پائندہ تقویمِ امم   کیا ہوا جو ہو گئے افراد کم

ہے سفر میں اس کی صحبت دائمی — ہے مسافر فرد، ملت دائمی
ذات سے ہیں مختلف اسکے صفات — اور ہی ہے سنتِ موت و حیات
فرد کی تکوین آب و گل سے ہے — قوم کی تخلیق صاحبدل سے ہے
فرد کے دن ساٹھ ستر سال بس — قوم کے سو سال سمجھو اک نفس
فرد کی ہستی ہے ربطِ جان و تن — قوم کی جاں حفظِ ناموس کہن
موت اس کی خشکیِ رودِ حیات — موت اس کی ترکِ مقصودِ حیات
فرد کی تخصیص ہے ملت کی موت — جب اجل آتی ہے ہوجاتی ہے فوت [1]
امتِ مسلم ہے فرمانِ خدا — سر بسر ہنگامۂ قَالُوْا بَلٰی
موت سے کیوں پھر یہ بے پروا نہ ہو — حق کا فرمان نَحْنُ نَزَّلْنَا سنو [2]
ہے قیام ذکر ذاکر کا قیام — ذکر کو حاصل ہے ذاکر سے دوام
اس کو ہے اَنْ یَّطْفِئُوْا وجہِ فراغ [3] — بجھ نہیں سکتا کسی سے یہ چراغ

---

[1] آیۂ شریفہ وَلِکُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ کی طرف اشارہ ہے ۱۲ [2] آیۂ شریفہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کی طرف اشارہ ہے ۱۲ [3] آیۂ شریفہ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ کی طرف اشارہ ہے۔ (کوکب)

حق پرستی میں اگر کامل ہو قوم — کیوں نہ پھر محبوبِ صاجدل ہو قوم
حق نے عریاں کی وہی تیغ اصیل — تھی جو در پردہ تمنّائے خلیل
صدق ہو زندہ اگر شمشیر سے — غیرِ حق جل جائے گا تاثیر سے
ہم اگر توحید حق کی ہیں دلیل — فہمِ رمزِ دیں میں بھی ہیں بے عدیل
چرخ ہم سے برسرِ پیکار تھا — ساتھ اس کے فتنۂ تاتار تھا
اس نے شہ دی اور جورِ فتنہ کو — آزمایا ہم پہ دورِ فتنہ کو
اُف! وہ فتنہ، فتنۂ محشر پناہ — یہ کہو محشر بھی تھا پامالِ راہ
فتنہ کیا، آشوب ہی آشوب تھا — آج تک ایسا نہ پھر برپا ہوا
خاک میں توقیرِ مسلم مل گئی — یہ قیامت روم پر ٹوٹی نہ تھی
پوچھ لیکن چرخِ کج رفتار سے — اس نو آئین کہن پندار سے
آتش تاتار تھی کس کا چمن؟ — اس کے شعلے سے ہوئی کس کی پھبن؟
ہم کو فطرت ہی براہیمی ملی — حق سے نسبت بھی براہیمی ملی

ہم بجھا دیں آگ ہر نمرود کی — گل بنا دیں آگ ہر نمرود کی

شعلہ ہائے انقلابِ روزگار — اپنے پاس آئیں تو بن جائیں بہار

روم کی اب گرم بازاری کہاں — وہ جہانگیری جہانداری کہاں

خون میں ڈوبا شیشۂ ساسانیاں — مٹ گیا خمخانۂ یونانیاں

مصریوں کا ہو چکا ہے امتحاں — ہیں نہ اہرام ان کی ہڈیاں

دہر میں بانگِ اذاں تھی، اور ہے — ملّتِ اسلامیاں تھی، اور ہے

عشق عالم کا ہے آئینِ حیات — عشق سے ہے امتزاجِ سالماتِ[1]

ہے ہمارے سوزِ دل سے زندہ عشق — لا الٰہ کے نور سے تابندہ عشق

گو مثالِ غنچہ ہم دلگیر ہیں — گلستانِ دہر کی تقدیر ہیں

نظامِ ملّت آئین کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتا ملّتِ محمدیہ کا آئین قرآن ہے

ہاتھ سے ملّت کے جب آئیں گیا — منتشر، سمجھو کہ شیرازہ ہوا

---

[1] عناصر کے اجزائے ترکیبی ۱۲

ہر مسلماں کی یہی ہے زندگی — باطنِ دینِ نبیؐ ہے بس یہی
نسبت آئیں سے پتہ گُل بنا — گُل اسی نسبت سے گلدستہ ہوا
نغمہ اک ضبطِ صدا کا نام ہے — تار بے ضبطِ صدا ناکام ہے
ہے گلے میں سانس اک موجِ ہوا — بنتی ہے پابندِ نے ہو کر نوا
کچھ خبر ہے، ہے ترا آئین کیا؟ — جو زمیں پر رازِ تمکیں ہے ترا
وہ کتابِ زندۂ قرآنِ حکیم — حکمت اس کی لایزال ہے اور قدیم
وہ کتابِ زندہ، تکوینِ حیات — جس کے دم سے بے ثباتی ہے ثبات
شک نہیں ہے اس میں[1] تبدیلی نہیں[2] — کوئی آیت اس کی تاویلی نہیں
پختہ ہوتا ہے اسی سے عزمِ خام — اس کے بل پر سنگ سے بھرتا ہے جام
دل یہ دے پابند کو آزاد کا — قیدیوں کو حوصلہ فریاد کا
نوعِ انساں کو پیامِ آخریں — حامل اس کا رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْن
خاکساروں کو کرے یہ ارجمند — بندے کو سجدے سے کر دے سربلند

---

[1] لَا رَیْبَ فِیْهِ (آیہ شریفہ) [2] لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰهِ (آیہ شریفہ)

رہزن، اس کے حفظ سے رہبر بنے   حرف لے کر صاحبِ دفتر بنے
دشت پیما اس دیئے کے نور سے   صاحبِ علمِ لدنّی بن گئے
کوہ کو جس کا تحمّل تھا محال   آسماں کو بھی نہ تھی جس کی مجال[1]
وہ ہمارے دل کے گنجینوں میں ہے!   قوم کے اطفال کے سینوں میں ہے!!
اُف! وہ بدوی، ریگِ صحرا کا جلال   دھوپ کی تابش سے آنکھیں لال لال
نخل کے نیچے ابھی سویا ہوا   اٹھ گیا سن کر ابھی بانگِ درا
دشت پیما، بام و در سے بے خبر   ہر زہ رو، کیفِ حضر سے بے خبر
اک تڑپ قرآن سے دل میں اٹھی   موجِ بے تاب اُس کی آسودہ ہوئی
درس آیاتِ مبیں سے جب لیا   آ کے بندہ پیشِ حق آقا بنا!
پھر جہانبانی نوائے ساز تھی   مسندِ جم فرش پا انداز تھی
شہر اس کی گردِ پا سے بس گئے   ایک گل سے سیکڑوں گلشن بنے
تیرا ایماں رسم بن کر رہ گیا   شیوہ ہائے کافری میں بہہ گیا

---

[1] آیہ شریفہ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ الخ کی طرف اشارہ ہے۔ (کوکب)

کر دیا تو نے حکومت کو زُبُرًا[1] رہ گئی منزل تری ہو کر نُکُر[2]

چاہیے گر مثلِ مسلماں زندگی کچھ نہیں ہے جز بہ قرآں زندگی

شاد ہے صوفی فضائے حال پر جھومتا ہے نغمۂ قوال پر

مُرتکز شعرِ عراقی[3] پر ہے فکر بزم میں اس کی نہیں قرآں کا ذکر

اب کلاہ و بوریا ہیں تخت و[4] تاج لے رہے ہیں خانقاہوں سے خراج

اپنے واعظ قصہ گو، افسانہ بند ان کے معنی پست تقریریں بلند

ہیں خطیب و دیلمی[5] کے خوشہ چیں شاذ و مرسَل[6] کچھ حدیثیں جز و دیں

فرض ہے تجھ پر کہ خود قرآں پڑھے اور ہر مشکل میں اس سے کام لے

زمانہ انحطاط میں تقلید اجتہاد سے بہتر ہے

عہدِ حاضر ہے بہ الفاظِ دگر فتنہ پرور، فتنہ گر، فتنہ بسر

---

[1] فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا (آیہ شریفہ) [2] يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ آیہ شریفہ [3] ایک فارسی شاعر کا تخلص [4] محدثین کے نام [5] ضعیف احادیث کی اقسام (کوکب)

اس نے کاٹی شاخسارِ زندگی — بزمِ اقوامِ کہن برہم ہوئی
اس نے ہم کو خود سے بیگانہ کیا — کر دیا ہے ساز اپنا بے نوا
آتشِ دیرینہ دل سے چھین لی — نور و نارِ لا الہ کی دُھن گئی
مضمحل ہو جاتے جب نظمِ حیات — قوم کو تقلید دیتی ہے ثبات
ہے رہِ اسلاف جمعیّت تری — مسلکِ تقلید ہے طاقت تری
اے خزاں میں بے نصیبِ برگ و بار! — کب نمودِ گُل ہے ترکِ شاخسار؟
بحر کھویا، اب زیاں اندیش بن — جوتے کم مایہ! حفاظت کیش بن
دے تجھے سیلاب شاید برتری — پھر تری قسمت ہو طوفاں پروری
دیدۂ دل میں بصارت ہے اگر — کر نظر احوالِ اسرائیل پر
دیکھ اس کے گرم و سردِ حال کو — سختیِ جاں کو، دلِ پامال کو
خوں رگوں میں اب نہیں ہے جست خیز — ہے جبیں ہر سنگِ در پر سجدہ ریز
تاکِ جاں ہرچند افسردہ سہی — ہے نشانِ موسیٰ و ہاروں ابھی

ہے نوائے آتشیں محرومِ سوز — دم مگر سینے میں باقی ہے ہنوز

قوم میں ہرچند جمعیّت نہیں — سنّت آبا ہے دل میں جاگزیں

بزمِ دیرینہ تری برہم ہوئی — کب سے ہے خاموش شمعِ زندگی

نقشِ دل پر معنیِ توحید کر — غم نہ کر، اسلاف کی تقلید کر

اجتہاد اپنا بہ دورِ انحطاط — خود الٹ دیتا ہے ملّت کی بساط

اجتہادِ خام سے ہے سربسر — اقتدائے رفتگاں محفوظ تر

عقل ان کی حرص فرسودہ نہ تھی — مقصدِ ذاتی سے آلودہ نہ تھی

تھی نگاہِ رفتگاں باریک بیں — زہد تھا زہدِ رسالت کے قریں

اب وہ شانِ ملّتِ تازی کہاں! — ذوقِ جعفر[1] کاوشِ رازی[2] کہاں

تنگ ہم پر رہگذارِ دیں ہوئی — سطحِ بینی عینِ آگاہی ہوئی

رازہائے دیں سے تو بیگانہ ہے — لے وہی آئیں اگر فرزانہ ہے

کہہ گیا ہم سے یہ نبّاضِ حیات — اختلاف اپنا ہے مقراضِ حیات

---

[1] سلطنت عباسیہ کا مشہور وزیر جعفر برمکی [2] امام فخر الدین رازی صاحب تفسیرِ کبیر، (کوکب)

ہے یک آئینی مسلماں کی حیات — پیکرِ ملّت ہے قرآنی ثبات
صرف قرآں ہی دلِ آگاہ ہے — جمع ہو اس پر کہ حبل اللہ[1] ہے
سلکِ قرآنی ہیں رہ مثل گہر — منتشر ورنہ رہے گا عمر بھر

سیرتِ ملّی کی پختگی آئینِ الٰہیہ کے اتباع سے ہے

سُن کہ ذو معنی نہیں ہے شرعِ دیں — جز ضیا کچھ اور گوہر میں نہیں
اس گہر کا خود ہے گوہر گر خدا — ظاہر و باطن ہے اس کا ایک سا
علمِ حق کیا ہے شریعت کے سوا؟ — اصلِ سنّت کیا محبّت کے سوا؟
شرع کیا ہے؟ اصلِ دیں کا آئینہ — سب مقاماتِ یقیں کا آئینہ
حق کے آئیں سے ہے ملّت میں نظام — نظمِ محکم ہے مگر شرطِ دوام
شرع سے ہوتی ہے علمی راہ طے — یہ عصا ہے اور یدِ بیضا بھی ہے
شرع میں مضمر ہے اصلِ اسلام کی — ہے یہی آغاز بھی انجام بھی

---

[1] آیۂ شریفہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا کی طرف اشارہ ہے (کوکب)

تار ہے تو حکمتِ دیں کا امیں — مجھ سے سن لے نکتۂ شرعِ مبیں

ہو اگر کوئی مزاحم بے سبب — فرض منوائے ادائے مستحب

یہ نہ ہو تو فرض اس کو مان لے — زندگی کو عین قدرت جان لے

جنگ کے میدان میں دشمن اگر — صلح کو سمجھے مآلِ بے خطر

شوق سے کرنے لگے پھر کاروبار — توڑ ڈالے اپنے سب حصن و حصار

پختہ ہو اس کا نہ پھر جب تک نظام — تاخت اس کے ملک پر سمجھو حرام

جان اس فرمانِ حق کے راز کو — زندگی خطرات سے خالی نہ ہو

شرع کا ہے یہ تقاضا وقتِ جنگ — شعلہ بن کر چیر دے تو حلقِ سنگ

جنگ ہے قوت کا تیری امتحاں — راہ میں لاتی ہے لاکھوں سختیاں

سختیوں سے پھر یہ کہتی ہے گزر — سینۂ الوند[۱] رکھ دے چیر کر

ہوتی ہے کب کوئی میشِ ناتواں — لائقِ سرپنجۂ شیرِ ژیاں

خوش اگر ہو کر ممولے سے لڑا — صید سے سمجھو، زبوں تر ہو گیا

---

۱ ایران کے ایک پہاڑ کا نام۔

شارعِ رازِ آشنائے دہر نے — نسخۂ قدرت لکھا تیرے لئے
آہنِ اعصابی عمل سے دی تجھے — جو دیئے تجھ کو مقام اچھے دیئے
کر دیا خستہ دلوں کو استوار — پختگی بخشی مثالِ کوہسار
ہے جو دینِ مصطفےٰ دینِ حیات — شرع ہے تفسیرِ آئینِ حیات
یہ زمیں سے آسماں کر دے تجھے — سرِّ حق کا رازداں کر دے تجھے
شرع سے آئینہ بن جاتا ہے، سنگ — یہ اُڑاتی ہے دلِ آہن سے زنگ
جب سے کھویا ہے شعارِ مصطفےٰ — قوم نے رازِ بقا بھی کھو دیا
وہ نہالِ استوار و سربلند — مسلمِ صحرا، سبک سیری پسند
جب سکونت وادیِ بطحا میں تھی — تربیت بھی گرمیِ صحرا نے دی
مثلِ نے بادِ عجم نے کر دیا — اِس ہوا سے سوکھ کر کانٹا ہوا
شیر کو جو جانتا تھا گوسفند — چیونٹی کے سامنے ہے دردمند
جس کا نعرہ کرتا تھا پتھر کو آب — صوتِ بلبل سے اسے ہے اضطراب

کوہ کو بھی جو کبھی کہتا تھا کاہ　　کر رہا ہے اب توکّل سے نباہ
توڑتا تھا جو کبھی اعدا کا سر　　ہے اسے سینے کی دھڑکن سے خطر
تھے کبھی جس کے قدم ہنگامہ خیز　　اب فقط عزلت گزینی میں ہے تیز
تھا کبھی فرمان جس کا ناگزیر　　جس کے در کے تھے کبھی سلطاں فقیر
اب اسے وصفِ قناعت ہے ساز　　اب گدائی پر کیا کرتا ہے ناز
شیخ احمد[1] سیدِ گردوں جناب　　مہر جن کے نور سے ہے فیضیاب
سبزہ بھی ان کے مزارِ پاک کا　　جاگتا ہے لاالٰہ کہتا ہوا
ایک دن بولے مریدوں سے حضورؐ　　رہنا افکارِ عجم سے دور دور
لاکھ اس کی فکر لامحدود[2] ہے　　اس پہ راہِ دینِ حق مسدود[3] ہے
قول اس آقائے ملّت کا نہ بھول　　رمز، بھائی! اس نصیحت کو نہ بھول
فکر کی نسبت عرب سے چاہئے　　تا کہ مسلم اصل میں مسلم بنے

---

[1] حضرت شیخ احمد رفاعیؒ [2] عجمی فکر و دانش کی طرف اشارہ ہے [3] یہاں یہ قافیہ ناگزیر تھا۔ ۱۲ (کوکب)

حسنِ سیرتِ ملّیہ کا بیان جو آدابِ محمدیّہ سے درسِ ادب کے حصول میں مضمر ہے

ایک دن اک سائلِ معذور نے
در ہمارا کھٹکھٹایا زور سے
میں نے اس کے سر پہ ڈنڈا جڑ دیا
جو بھی تھا کشکول میں سب گر پڑا
عقل آغازِ جوانی میں بھلا
سوچتی ہی کب ہے اچھا اور برا
میرے والد نے جو دیکھا ماجرا
دیکھتے ہی زرد چہرہ ہوگیا
اور پھر آنکھوں میں آنسو آگئے
آنکھ سے رخسار پر بہنے لگے
بھول کر جیسے پرندہ چہچہے
شاخ پر بادِ سحر سے کانپ اٹھے
میں بھی تڑپا یہ قیامت دیکھ کر
دل نہ سنبھلا ان کی حالت دیکھ کر
وہ یہ بولے "کچھ خبر بھی ہے تجھے
کل جب آئیں گے نبیؐ کے سامنے
غازیانِ ملّتِ بیضا تمام
حافظانِ حکمتِ رعنا تمام

ان میں ہوں گے سب شہیدان کرام	جن کا اونچا ہے ستاروں سے مقام
زاہدوں میں عاشقانِ دل فگار	عالموں میں عاصیانِ شرمسار
پیش پیغمبرؐ وہیں روتا ہوا	یہ گدائے بے نوا بھی آئے گا
کیا کہوں گا میں؟ مجھے تو ہی بتا	مجھ سے جب پوچھیں گے فخرِ انبیاؐ
تجھ کو یہ فرزند جو حق نے دیا	کیوں مرے آداب سے غافل رہا؟
کارِ آساں میں رہا تو مضمحل	بن سکا آدم نہ یہ انبارِ گل"
نرم گفتارِ ملامت تھی اُدھر	سخت شرمندہ ادھر تھا میں مگر
"ڈال" وہ پھر مجھ سے بولے "اے پسر!	امت خیر البشر پر اک نظر
دیکھ پھر تو یہ میری ریش سفید	اور میرا لرزۂ بیم و امید
باپ پر یہ جور نازیبا نہ کر	پیش مولیٰ بندے کو رسوا نہ کر
تو کہ شاخ مصطفےٰؐ کا غنچہ ہے	پھول بن جانے سے کیوں وارستہ ہے
رنگ و بو کے ساتھ تجھ کو چاہیئے	خُلق ان کے خُلق سے حاصل کرے

مرشدِ رومیؒ کا یہ ارشاد ہے — جن کے قطرہ میں سمندر شاد ہے
دامنِ ختم الرسلؐ مت چھوڑنا — منہ اگر موڑے تو خود سے موڑنا
طبعِ مسلم ہے، میاں! رحم و کرم — ہاتھ ہوں یا ہو زبان، رحم و کرم
جس نے انگلی سے کیا مہ کو دو نیم — خود ہے رحمتؐ[1] خلق ہے اس کا عظیم[2]
راہ سے اس کی اگر بھٹکا کہیں — یہ سمجھ لے تو کہ ہم میں سے نہیں
تیرا گلشن ہے ہمارا گلستاں — رہ ہمارا ہم صفیر و ہم زباں
نغمہ تیرا ہو تو سب کے ساتھ ہو — سب کا نغمہ ایک ڈھب کے ساتھ ہو
زندگی کا جو بھی ہے سرمایہ دار — موت ہے اس کی رہِ ناسازگار
تو اگر اہلِ چمن سے ہے تو بن — ہمنوائے نغمہ سنجانِ چمن
ہے اگر شاہیں تو دریا میں نہ جی — خلوتِ صحرا ہے تیری زندگی
ہے جو انجم، اپنے گردوں پر چمک — دائرے سے اپنے باہر مت لپک
قطرہ لے جائے جو نیساں سے پرے — پرورش اس کی گلستاں میں کرے

---

[1] نبئ کریم کے اسم صفت "رحمۃ اللعالمین" کی طرف اشارہ ہے [2] آیۂ شریفہ اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْم کی طرف اشارہ ہے (کوکب)

تیرا مقصد ہو کہ فیضانِ بہار
اس کو دے دے غنچۂ نو کا نکھار

صبحدم جیسے شعاعِ آفتاب
ہر شجر کے واسطے بنتی ہے تاب

اس کے جوہر میں رہے گا پھر وہ نم!
سالماتِ[1] قطرہ میں ہوگا وہ رم!

تیرا گوہر بھی ہے بس اک موجِ آب
اور بہر صورت میں ہے شکلِ سراب

قطرۂ نیساں سمندر سے جدا
اور کیا ہے اشک شبنم کے سوا

بحر میں رکھ کر اسے گوہر بنا
آسماں تک ہے ستارے کی ضیا

طینتِ مسلم ہے اک درِ خوش آب
اس میں ہے بحرِ نبیؐ سے آب و تاب

آب نیساں ہے تو اس قلزم میں پل
بن کے موتی اس سمندر سے نکل

پھر جہاں میں غیرتِ خورشید ہو
صاحب تابانیِ جاوید ہو

بیان حیات ملّیہ جسے مرکز محسوس کی ضرورت ہے اسی کو بیت الحرام کہتے ہیں۔

---

[1] سالمات: اجزائے ترکیبی ۱۲

کھولتا ہوں عقدۂ کارِ حیات   تا ہو تو آگاہِ اسرارِ حیات

فکر کی صورت ہے اس میں خودسری   ہر جہت سے اس کا دامن ہے بری

یہ جہانِ دیر و زود اس کا نہیں   وہ اسیرِ ماضی و فردا نہیں

ڈال اپنی ذات پر تو اک نظر   جز رمِ پیہم ہے کیا؟ اے بیخبر!

آتش نادیدہ ہو جب تک بلند   کر دہویں سے اپنے اس کو پردہ بند

اس کی رو جب تک نظر آئے سکوں   رہتی ہے وہ آب گوہر کا فسوں

آتش خاموش رہ کر سر بسر   لالہ بن کر اگتی ہے پھر شاخ پر

فکر تیری ہے گراں خیز اور لنگ   گُل نشینی ہے اسے پروازِ رنگ

زندگی مرغ نشیمن ساز ہے   رنگ کیا کچھ اور جز پرواز ہے؟

ہے قفس میں، روحِ آزادی بھی ہے   نغمہ پیرا بھی ہے، فریادی بھی ہے

بال و پر ہیں اس کے پروازی مزاج   کرتی ہے اپنے مرض کا خود علاج

کرتی ہے پیدا وہ خود دشواریاں   پھر بناتی ہے اُنہیں آسانیاں،

پا بگل ہو کر حیاتِ تیز گام
تازہ کر لیتی ہے خود ذوقِ خرام

ساز اس کے سوز میں خوابیدہ ہیں
دوش و فردا حال کے زائیدہ ہیں

دمبدم مشکل گر اور آساں گزار
دمبدم نو آفریں اور تازہ کار

مثلِ بو رہتی ہے ہر دم رہ سپر
سانس بن کر کرتی ہے سینے میں گھر

اپنے ہی حلقوں سے بنتی ہے زرہ
تکمہ بن کر ڈالتی ہے خود گرہ

دانہ ہے جب تک تو خود ہے برگ و بر
کھول کر خود آنکھ بنتی ہے شجر

یہ لباسِ آب و گِل بنتی ہے خود
دست و پا اور چشم و دل بنتی ہے خود

آپ ہی ہے تن گزینی زندگی
خود ہے محفل آفرینی زندگی

ہے اسی صورت سے میلا دائم
زندگی مرکز پہ ہوتی ہے بہم

حلقہ و مرکز ہیں مثلِ جسم و جاں
دائرہ ہے جیسے نقطے میں نہاں

قوم کا مرکز ہے اصلِ ربط و نظم
ہے فقط مرکز سے قائم ضبط و نظم

راز دار اور راز ہے بیت الحرم
اپنا سوز و ساز ہے بیت الحرم

سانس کی صورت وہاں پلتے ہیں ہم ہے وہی سینہ جہاں پلتے ہیں ہم
اس کی شبنم سے ہے اپنا گلستاں اس کے زمزم سے ہیں اپنی کھیتیاں
اس کے ذرّوں سے ہے روشن آفتاب وارتا ہے اس پہ تن من آفتاب
اس کے دعوے کی دلیل اپنا وجود یعنی برہانِ خلیلؑ اپنا وجود
اس کے دم سے ہم بلند آوازہ ہیں اور قِدم کے ساتھ ہم شیرازہ ہیں
طوف سے اس کے ہے ملّت ہم نفس مثلِ صبحِ مہر پابندِ قفس
اپنی کثرت اس سے وحدت میں ڈھلی اپنی خودداری اسی گھر میں پلی
ہم ہیں خود زندہ حرم کے طوف سے اور پائندہ حرم کے طوف سے
جز بہ جمعیّت نہیں جانِ امم اپنی جمعیّت بھی ہے سرِّ حرم
کھول آنکھیں، حال کچھ دنیا کا دیکھ آج انجامِ امّتِ موسیٰ کا دیکھ
ہاتھ سے جب دامنِ مرکز چھٹا رشتۂ جمعیّتِ ملّت گیا
گو دیں نبیوں کی جو اُمّت چلی تھے خفی بھی جس کو اسرارِ جلی

جب ہوئی غافل تو چوٹ ایسی پڑی　　زندگی خوں ہو کے آنکھوں سے بہی

مزرعِ ملّت سے نم جاتا رہا　　شاخِ ہستی کا بھرم جاتا رہا

بیکسی میں ہم زباں سب گم ہوئے　　ہم نوا، ہم آشیاں سب گم ہوئے

شمع مردہ، نوحہ خواں پروانہ ہے　　کتنا عبرت خیز یہ افسانہ ہے

جورِ گردوں سے ہے تو بھی خستہ تن　　ہے اسیرِ التباسِ وہمِ وطن

اب بدل لے پیرہن احرام سے　　صبح پیدا کر غبارِ شام سے

ڈوب جا سجدے میں آبا کی طرح　　بن انہیں سجدہ سراپا کی طرح

لے کے آئے پیشِ حق ایسا نیاز　　جس کے آگے جھک گیا دنیا کا ناز

راہِ حق میں آبلہ پائی کے بعد　　گل بداماں تھے جبیں سائی کے بعد

حقیقی جمعیّت ملّی نصب العین پر مضبوط گرفت کا نام ہے

اور امّتِ محمّدیہ کا نصب العین توحید کی حفاظت و اشاعت ہے،

مجھ سے سن کیا ہے زبانِ کائنات　　ہیں، سمجھ، الفاظ اعمالِ حیات

گر کسی مقصود سے وابستہ ہے زندگانی مطلعِ برجستہ ہے
اس کو مقصد کی اگر مہمیز ہو توسن ہستی ہوا سے تیز ہو
مدّعا سے ہے بقائے زندگی جمع ہیں اس سے قوائے زندگی
زندگانی ہو اگر مقصد شناس ضابطِ اسبابِ عالم ہوں حواس
شرطِ ہستی ہو جو مقصد کا حصول ہو اسی کے واسطے ردّ و قبول
ناخدا چلتا ہے ساحل کے لئے جادہ پیمائی سے منزل کے لئے
داغِ پروانہ بنا ہے ذوقِ سوز وجہ طوفِ شمع کیا ہے ذوقِ سوز
قیس آوارہ ہے صحرا میں اگر محملِ لیلےٰ ہے مقصودِ نظر
شہر کے اندر اگر لیلےٰ ملے پھر کوئی صحرا بصحرا کیوں پھرے
ہر عمل کا دم قدم مقصود ہے ہر عمل کا کیف و کم مقصود ہے
گردشِ خوں کی رگوں میں ہے بنا صرف اک سعیِ حصولِ مدعا
گرمیِ مقصد سے ہے سوزِ حیات ہے وہی سرمایہ اندوزِ حیات

مدّعا ہی قوّتِ اعصاب ہے — ساز ہمّت کے لئے مضراب ہے
بہر دستِ قوم گُل چینی ہے یہ — سیکڑوں نظروں کی یک بیتی ہے یہ
شاہد مقصود کا دیوانہ بن — شمع مقصد ہی کا تو پروانہ بن
نغمہ سازِ قم[1] نے کیا اچھا کہا — ساز کو سازِ معانی کر دیا
"پاؤں کے کانٹے پہ ڈالی تھی نظر — چُھپ گئی محمل نگاہوں سے ادھر[2]
ایک لمحے کے لئے غافل ہوا — دور لاکھوں کوس منزل سے ہٹا[3]
یہ کہن تن جس کا عالم نام ہے — امتزاجِ امہات[4] اندام ہے
ستو نیستاں بو کے اک نالہ اُگا — خونِ صد گلشن سے اک لالہ اُگا
سیکڑوں نقشوں پہ کی مشق ہنر — تب ہوا جا کر ترا رخ جلوہ گر
جب دیا نالوں سے جانوں کو فروغ — تب ملا ہے ان اذانوں کو فروغ
مدّتوں لڑتا رہا اصرار سے — مِل کے۔ آقایانِ باطل کار سے

---

[1] ملک قمی (ایک ایرانی شاعر)۔ [2] رفتم کہ خار از پاکشم محمل نہاں شد از نظر [3] یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد [4] امہات۔ عناصر (کوکب)

تخم ایماں آخرش بویا گیا — کلمۂ توحید لب پر آگیا

نقطۂ ادوار ٹھہرا لا الہ — انتہائے کار ٹھہرا لا الہ

ہے اسی سے چرخ میں گردندگی[۱] — مہر میں پابندگی، رخشندگی

گوہر اس کی تاب سے گوہر بنا — ہے اُسی سے سلسلہ امواج کا

خاک اس کی پرورش سے گُل بنی — بلبل اس کے سوز سے بلبل بنی

تاک[۲] میں ہے اس کے شعلے کی لپک — خاکِ مینا میں اسی کی ہے چمک

اس کے نغموں کا ہے گھر سازِ وجود — ہاں بجالے نغمہ گر! سازِ وجود

سازِ ہستی ہے ترا خونِ بدن — تو اسی کے تار پر ہو زخمہ زن

تیری ہستی ہے صلہ تکبیر کا — حفظ و نشرِ لا الہ ہے مدّعا

بانگِ حق جب تک نہ ہو جائے بلند — جو بھی مسلم ہے رہے گا دردمند

دیکھ پڑھ کر آیۂ اُمّ الکتاب — اُمّتِ عادل ہے تیرا ہی خطاب

آب و تابِ چہرۂ ایام ہے — تو یہاں شاہد علی الاقوام ہے[۳]

---

۱ گردندگی: گردش ۲ تاک: انگور کی بیل ۳ آیۂ شریفہ وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوۡنُوۡا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ کی طرف اشارہ ہے۔ (کوکب)

نکتہ سنجوں کو صلائے عام دے　　علمِ اُمّیؐ[1] کا انہیں پیغام دے
کیسا اُمّی جو ھویٰ سے ہے بریٰ[2]　　قول اس کا مَا غَویٰ[3] سے ہے بری
انگلیاں رکھ کر بہ نبضِ کائنات　　اس نے کھولے رازِ تقویمِ حیات
داغ تھے جتنے قبا ئے دہر پہ　　دھو دیئے اُس نے بہ فیضِ یک نظر
زیست اس کے دین سے وابستہ ہے　　اور اس آئین کی پابستہ ہے
ہے کتاب اس کی ترے زیرِ بغل　　پھر تو میدانِ عمل میں تیز چل
فکرِ انساں بتگری ہے جس کی خو　　کر رہی ہے نقشِ نو کی جستجو
اس کو خوئے آذری ہے خوشگوار　　گھڑ لیا ہے اک نیا پروردگار
خونفشانی ہے اسے وجہ طرب　　نام اس کے رنگ اور ملک ونسب
چڑھ رہی بھینٹ اب تک سربسر　　آدمیّت اس کی قرباں گاہ پر
تو ہے ورثہ دارِ مینائے خلیلؑ　　ہے رگوں میں تیری صہبائے خلیلؑ

---

[1] رسولِ امّیؐ [2] قول باری تعالیٰ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَویٰ کی طرف اشارہ ہے۔ [3] رسول کریم کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَویٰ کی طرف اشارہ ہے (کوکب)

کر دو نیم اس حق نما باطل کا سر | تیغ لَا مَوْجُودَ اِلَّا ھُوْ[1] کھینچ کر
دور یہ تاریکیِ ایام کر | اپنی اُس تکمیل دیں[2] کو عام کر
کیا خجل ہوگا نہ تو روز شمار؟ | جب کہیں گے آبروئے روزگار[3]
حرفِ حق کی جو امانت ہم سے لی | اس کی دُنیا میں اشاعت کیوں نہ کی؟

توسیعِ حیاتِ ملی نظامِ عالم کی تسخیرِ قویٰ کا نام ہے

تو کہ عبدِ ہستیِ نادیدہ ہے | سیل ہے، ساحل سے دامن چیدہ ہے
باغِ ہستی میں شجر بن، جڑ پکڑ | دل لگا غائب سے اور حاضر سے لڑ
ہستیِ حاضر ہے کیا؟ تفسیرِ غیب | بنتی ہے دیباچۂ تسخیرِ غیب
ماسوا تسخیر کی خاطر بنے | امتحانِ تیر کی خاطر بنے
"کن" سے حق نے ماسوا پیدا کئے | دے دیا ہے غیر حق پر حق تجھے
فرحتِ عقدہ کشائی کے لئے | زحمتِ عقدہ کشائی چاہیئے

---

[1] لَا مَوْجُودَ اِلَّا ھُوْ [2] آیہ شریفہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ کی طرف اشارہ ہے۔ [3] پیغمبر ۱۲

تو کلی ہے تو چمن تعمیر کر ذرّہ ہے تو مہر کی تسخیر کر
کارِ نادر، ہے اگر ممکن تو کر مثلِ برفِ دہر کا پگھلا جگر
جس نے محسوسات پر قبضہ کیا ذرّے سے تعمیر عالم کر لیا
کر لیا جس نے ملائک کو شکار پہلے آدم پر کیا تھا اس نے وار
پہلے محسوسات کی کھولی گرہ تب ہی موجودات کی کھولی گرہ
کوہ و صحرا کیا ہیں؟ کیا ہیں بحر و بر؟ تختہ ہائے مشق اربابِ نظر
ہے تری کم آگہی کی انتہا عالم اسباب کو 'دوں' کر دیا
کھول، غافل! دیدۂ مخمور کو 'دوں' نہ جاں اس عالم مجبور کو
اس کا مقصد ہے تری توسیعِ ذات یہ جہاں ہے امتحانِ ممکنات
مارتا ہے تجھ کو رکھنے کے لئے خون کی گرمی پرکھنے کے لئے
مار سینے پر کوئی سنگِ گراں ہے یہی تو امتحانِ استخواں
یہ جہاں ہے نیک بندوں کے لئے اس کا جلوہ حق پسندوں کے لئے

یہ جہاں ہے کارواں کی رہگذار
یہ جہاں ہے نقدِ مومن کا عیار

کر شکار اس کو، نہ بن اس کا شکار
ورنہ سمجھے گا تجھے خدمتگزار

تیرا رخشِ فکر ہو بالا پرست
وسعتِ گردوں ہے اسکی ایک جست

احتیاج زندگی ہے راہبر
ہے زمیں پر رہ کے بھی گردوں سپر

تاکہ تسخیرِ نظامِ دہر سے
پختہ تر تیری ہنرمندی بنے

نائبِ حق ہو جہاں میں آدمی
ہو عناصر پر گرفت اس کی کڑی

تیری تنگی کو ہو پہنائی نصیب
دستِ قدرت کو ہو گیرائی نصیب

دہر میں پشت ہوا پر ہو سوار
تیرے قابو میں رہے یہ راہوار

کوہساروں کی رگوں سے خوں نچوڑ
ایک گوہر قعرِ دریا میں نہ چھوڑ

اک فضا سے سو جہاں ہوں گے عیاں
سیکڑوں سورج ہیں ذرّوں میں نہاں

آشنائے جلوہ کر نادیدہ کو
کھول دے اسرارِ نافہمیدہ کو

لے چمک خورشیدِ عالمتاب سے
برقِ طاق افروز لے سیلاب[1] سے

---

[1] پانی سے بجلی پیدا کرنے کا سائنسی کمال آج ایک عام بات ہے۔

ثابت و سیارہ، یہ گردوں وطن — پوجتی تھیں ان کو اقوام کہن

آج یہ سب پیکرانِ نور پوش — آدمِ خاکی کے ہیں حلقہ بگوش

جستجو کو پختہ کر تدبیر سے — پھر نبٹ آفاق کی تسخیر سے

کھول کر آنکھیں ذرا اشیا کو دیکھ — نشۂ پوشیدۂ صہبا کو دیکھ

حکمت اشیا سے ہو گر سرفراز — ناتواں سمجھے توانائی کا راز

صورت ہستی بھی ہے معنی سے پر — یہ پرانا ساز بھی رکھتا ہے سُر

پوچھ اس کا سُر کسی ہشیار سے — خود لپٹ جائے جو اس کے تار سے

تو ہے مقصود خطاب انظری — تجھ میں کیا باقی نہیں دیدہ وری؟

قطرہ محو خوفروزی ہے اگر — تاک میں مے، گل پہ شبنم کا گُہر

بحر میں بھی اصل گوہر ہے وہی — ضوفشاں مانندِ اختر ہے وہی

پھول کی صورت کا متوالا نہ بن — معنیِ گلزار میں ہو غوطہ زن

حکمت اشیا کا جو ہے رازدار — ہے وہی برق و حرارت پر سوار

حرف لے اڑتا ہے معنی کی طرف — غیرِ زخمہ نغمہ ریزی کی طرف
تو رہِ مشکل سے ہے ناآشنا — زیست کی منزل سے ہے نا آشنا
ہمسفر تیرے ہوئے منزل نصیب — لیلیِ معنی کو لے آئے قریب
تو مثالِ قیس ابھی آوارہ ہے! — خستہ ہے، وامانده ہے، بیچارہ ہے!!
علمِ اسمآ[۱] سے ہے آدم کا وقار — حکمتِ اشیا ہے انساں کا حصار

حیاتِ ملیّہ کا کمال یہ ہے کہ ملّت فرد کی طرح احساسِ خودی پیدا کرے اور اس احساس کی تولید و تکمیل ملّی روایات کے ضبط ہی سے ممکن ہے

دیکھ بچّے کو ذرا بالغ نظر! — اپنی اصلیّت سے ہے جو بے خبر
فرق قرب و بعد سے واقف کہاں — چاہتا ہے چاند کی پکڑے عناں

۱ آیۂ شریفہ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کی طرف اشارہ ہے۔ (کوکب)

ہوش رکھتا ہے ابھی ماں کے سوا — گریہ کا یا دودھ کا یا نیند کا

زیر و بم سے کان ہیں ناآشنا — نغمہ اس کو شور ہے زنجیر کا

پیش پا افکار کا دلدادہ ہے — گفتگو میں بھی نہایت سادہ ہے

جستجو ہی پر ابھی مجبور ہے — گفتگو چون و چرا سے دور ہے

کمسنی ہے این و آں کی نقش گیر — غیر جوئی غیر بینی کی اسیر

پشت سے رکھ دو اگر آنکھوں پہ ہاتھ — چھوڑ دیں اس کے حواس اک دم ہی ساتھ

فکرِ خام اس کی میانِ روزگار — پر کُشا ہے مثلِ بازِ نو شکار

چھوڑ کر صیدِ سبک رو کی طرف — موڑ لاتی ہے اسے اپنی طرف

مشتعل جب تک ہو آگ افکار کی — گلفشاں ہے پھلجھڑی پندار کی

آنکھ اٹھتی ہے فقط تن کی طرف — ملتفت رہتی ہے بس "من" کی طرف

حافظہ کرتا ہے اس کو خود شناس — دوش و فردا کو بلاتے ہیں حواس

روز و شب اس کے ہیں یوں باہمد گر — جیسے بیش و پس لڑی میں ہوں گُہر

ہوتے رہتے ہیں کم و بیش آب و گل   "میں وہی ہوں" سوچتا رہتا ہے دل

ہے یہی فکرِ "من" آغازِ حیات   "نغمۂ بیداریِ سازِ حیات"ؔ

طفل ہی ہے ملّتِ نوزادہ بھی   خود وہی، آغوشِ مادر بھی وہی

یہ خودی سے اپنی ہے ناآشنا   جیسے اک موتی ہو مٹی میں پڑا

دوش و فردا آشناؤں میں نہیں   حلقۂ ایام پاؤں میں نہیں

چشمِ ہستی میں یہ پُتلی ہے ضرور   اپنی نظروں سے مگر رہتی ہے دور

اپنے دل کی ساری گرہیں کھول دے   تب سرِ تارِ خودی شاید ملے

دل سے لگ جائے بکارِ روزگار   پھر شعورِ تازہ ہوگا پائدار

نقش اس کے کچھ تو لے کچھ چھوڑ دے   سرگزشت اپنی مکمل یوں کرے

فرد توڑے رشتۂ ایام اگر   شانۂ ادراک ٹوٹے سر بسر

شمعِ ملّت کی ضیا تاریخ ہے   خودشناسی کی بنا تاریخ ہے

ذہن سے ماضی نکل جائے اگر   چل پڑے قعرِ عدم کی راہ پر

ؔ موزونیت اور ربط کے لحاظ سے اقبال کے اس مصرعے کا ہم پایہ ترجمہ ممکن نہیں ہے (کوکتب)

نسخۂ ہستی کا تیرے، ہوشمند! — رشتۂ ایام ہے شیرازہ بند
ہے یہی رشتہ ہمارا پیرہن — سوئی ہے حفظِ روایاتِ کہن
تو جو یوں تاریخ سے بیگانہ ہے — کیا کہانی ہے؟ کوئی افسانہ ہے!
تو اگر تاریخ سے آگاہ ہے — آشنائے کارِ و مردِ راہ ہے
روح کا سامانِ راحت ہے یہی — پیکرِ ملّت کی قوّت ہے یہی
پہلے دیتی ہے ترے خنجر کو دھار — پھر صلائے کارزارِ روزگار
کس قدر یہ سازِ جاں ہے دل پذیر — نغمے ہیں گائے ہوئے اس میں اسیر
شمعِ افسردہ میں اس کا سوز دیکھ — دوش کا آئینۂ امروز دیکھ
کوکبِ بختِ امم ہے یہ دیا — امشبِ دلیشب میں ہے اس کی ضیا
عہدِ رفتہ پر بھی ہے اس کی نظر — یہ دکھاتی ہے تجھے خود دیکھ کر
عرقِ[۱] دوشینہ اسی ساغر میں ہے! — کیفِ پارینہ اسی ساغر میں ہے!!
ساری ملّت اس نے زیرِ دام کی — بن کے طائر پھر چمن سے اُڑ گئی

۱؎ عرق۔ شراب ۱۲

یاد کر تاریخ کو، پائندہ ہو　　ان گنے انفاس سے پھر زندہ ہو

دوش کو ہمرشتۂ امروز کر　　زندگی کو مرغِ دست آموز کر

رشتۂ ایام کو کر زیر دست　　ورنہ ہوگا روزکور[1] اور شب پرست

عہد رفتہ ہی بنائے حال ہو　　حال کا آئینہ استقبال ہو

رشتۂ ماضی بہ استقبال و حال　　ہے نشانِ زندگیِ لازوال

موجِ ادراکِ تسلسل ہے حیات!　　میکشوں کو شورِ قُلقُل ہے حیات!!

نوعِ انسانی کی بقا امومت سے ہے اور امومت کا حفظ و احترام اسلام ہے

زخمہ زن ہے زن اگر، ہے مرد ساز　　ہے نیازِ زن سے قائم اس کا ناز

مرد اگر ہے تن تو ہے پوشاک زن[2]　　حسنِ دل جو عشق کا ہے پیرہن!

---

[1] روزکور: جسے دن میں نظر نہیں آتا!! [2] آیۂ شریفہ "ھُنّ لِبَاسٌ لَّکُمْ" (عورتیں تمہارا لباس ہیں) کی طرف اشارہ ہے (کوکب)

عشق اس کی گود کا پروردہ ہے — اس نوائے راز کا وہ پردہ ہے

جس پہ نازاں ہے وجودِ کائنات — تھیں پسند اس کو نسا، طیب و صلوٰۃ"

جس مسلماں نے اسے سمجھا کنیز — رمزِ قرآں کی نہیں اس کو تمیز

کیوں امومت کو نہ رحمت جانئے — جبکہ نسبت ہے نبوت سے اُسے

اس کی شفقت شفقتِ پیغمبری — سیرتِ اقوام کی صورت گری

اپنی یہ تعمیر امومت ہی سے ہے — صورتِ تقدیر امومت ہی سے ہے

اس جگہ ذہنِ رسا کب رکتے ہیں — حرفِ اُمّت میں ہزاروں نکتے ہیں

یاد رکھ یہ قولِ وجہِ کن فکاں — ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے جناں[۱]

عزتِ ارحام ہے ملت کا کام — ورنہ کارِ زندگی ہے ناتمام

ہے امومت جوشِ رفتارِ حیات — ہے اسی سے کشفِ اسرارِ حیات

اپنے دریا کا وہی ہے پیچ و تاب — ہے اسی سے موج و گردابِ حباب

ایک وہ لڑکی کہ ہے جاہل، گنوار — پستہ قد، فربہ بدن، تیرہ عذار

۱؎ اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّہَاتِکُمْ (حدیث)

تربیت اچھی نہ اچھی پرورش
کم نظر، کم گو ہے اور سادہ روش

زچگی کے بعد وہ حال زبوں
گرد آنکھوں کے وہ حلقے نیلگوں

پھر بھی گر ملّت کو اس کی گود سے
مردِ غیرت مند و حق پرور ملے

اس کا غم طاقت ہے ملّت کے لئے
اس کا دم رحمت ہے ملّت کے لئے

اک یہ لڑکی جو تہی آغوش ہے
گو قیامت ہے، جواہر پوش ہے

فکرِ مغرب کا مگر مخزن ہے یہ
زن ہے لیکن اصل میں نازن ہے یہ

توڑ دیں ملّت کی اس نے بندشیں
آنکھ میں عشوے ہیں دل میں شورشیں

ہے سراسر شوخ چشم اور فتنہ زا
اس کی آزادی حیا نا آشنا

علم اس کا ہے نہالِ بے ثمر
بے ثمر، بے غنچہ و گل، بے بصر

اس کو ہے بار امومت سے گریز
مجسم ہے لیکن نہیں ہے نور بیز

دور بہتر ہے یہ گُل اس باغ سے
شرم آتی ہے ہمیں اس داغ سے

اپنی خاکستر میں انگارے بہت
لا الٰہ کہتے ہوئے تارے بہت

جو سوادِ کیف وکم سے دور ہیں   پردۂ ظلمات میں مستور ہیں
وہ شرارے برقِ نامشہود کے   ہیں ہماری ظلمتِ موجود کے
پھول تک شبنم ابھی آئی نہیں   لی ابھی غنچوں نے انگڑائی نہیں
کاش ہو یہ لالہ زارِ ممکنات   رونقِ صحنِ ریاضِ اُمّہات[1]
قوم کا سرمایہ اے صاحبِ نظر!   کب ہے یہ نقد و قماش و سیم و زر
مال ہیں فرزند ہائے تندرست   ذہن میں اعلیٰ بدن میں چاق و چست
حافظِ رمزِ اخوّت مائیں ہیں   قوتِ قرآں و ملّت مائیں ہیں

مسلمان عورتوں کے لئے سیّدۃ النسا فاطمہ زہراؓ اسوۂ کاملہ ہیں

قدرِ مریمؑ حضرت عیسٰی سے ہے   قدرِ زہراؓ کیلئے ہیں تین شے
احمدِ مختارؐ کی دختر ہیں یہ   سیّدِ ابرارؐ کی دختر ہیں یہ

[1] امہات۔ عناصر۔

باپ ان کے وجہِ خلقِ دو جہاں — دہر کا آئینِ نو جن کی زباں
شوہر ان کے تاجدارِ ھَلْ اَتٰی — مرتضیٰؓ مشکل کشا، شیرِ خدا
دیکھ حال اس شاہ کے ایوان کا — ایک تلوار، اک زرہ سامان تھا
ایک بیٹا مرکزِ پرکارِ عشق — راہِ حق میں کارواں سالارِ عشق
آتشِ فتنہ بجھانے کے لئے — اور کیا، تاج و نگیں ٹھکرا دیئے
دوسرا مولائے ابرارِ جہاں! — قوتِ بازوئے احرارِ جہاں!!
زندگی کا سوزِ پیہم ہیں حسینؓ — حریت آموزِ عالم ہیں حسینؓ
وصف یہ اولاد کا ماؤں سے ہے — جوہرِ صدق و صفا ماؤں سے ہے
مزرعِ تسلیم کا دل ہیں بتولؓ — ماؤں کو ایک درسِ کامل ہیں بتولؓ
اک گدائے بے نوا کے واسطے — اب تو کوئی اپنی چادر بیچ دے
آتشی نوری نگاہوں میں حقیر — اپنے شوہر کی مگر فرماں پذیر
شکر، کھا کر نانِ جو پانی کے ساتھ — لب پہ قرآں آسیارانی کے ساتھ

دامنِ بالش[۱] سے گریہ لے نیاز
گوہر افشانی کو دامانِ نماز

گوہر اشک اس کے جبریلِ امیںؑ
لے کے جاتے جانب عرشِ بریں

سامنے ہے میرے آئینِ خدا
اور فرمانِ جنابِ مصطفےٰؐ

لوٹتا ورنہ مزارِ پاک پر
سجدے کرتا جا کے اس کی خاک پر

خطاب بہ مخدّراتِ اسلام

تیری چادر پردۂ ناموس ہے
روشنی تیری دلِ فانوس ہے

پاک طینت تیری رحمت ہے ہمیں
زورِ دیں، بنیادِ ملّت ہے ہمیں

دودھ سے جو نہی ہٹی اسکی نگاہ
تو نے بچّے کو سکھایا لا اِلٰہ

مہر سے تیری ملے اطوار بھی
فکر بھی، گفتار بھی کردار بھی

جو تری آغوشِ رحمت میں پلے
برق بن کر کوہ و صحرا میں پھرے

تو امینِ نعمتِ آئینِ حق
تیری سانسوں میں ہے سوزِ دینِ حق

[۱] بالش: تکیہ

عصر حاضر ہے سراسر پرفتن		نقد دیں کا کاروانِ راہزن
اس کی دانش کور، یزداں ناشناس		اس کے پیرو سب پراگندہ حواس
آنکھ بیباکی کی اک تصویر ہے		پنجۂ مژگاں بھی دامن گیر ہے
اس کے کشتوں کو ہے جینے کی امید		قید کو کہتے ہیں آزادی کی دید
آب بندِ نخلِ جمعیّت ہے تو		حافظِ سرمایۂ ملّت ہے تو
خدشۂ سود و زیاں سے دور رہ		شیوۂ اسلاف پر مامور رہ
بہ نہ جائیں سیلِ نو کے جوش میں		اپنے فرزندوں کو لے آغوش میں
پر کشا ہونے سے پہلے یہ طیور		جا پڑے ہیں آشیاں سے اپنے دور
اپنی فطرت دیکھ، پھر دنیا کو دیکھ		چشمِ دل سے اُسوۂ زہراؓ کو دیکھ
پھر ملے شاید تجھے دنیا میں چین		گود میں آئے تری کوئی حسینؓ

مثنوی کے مطالب کا خلاصہ سورۂ اخلاص کی روشنی میں

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ

ایک شب صدیقؓ آئے خواب میں — آسماں سے پھول برسے خواب میں
آمَنَ النَّاسؓ[له] اور وہ مخلص قدیم — اپنے کوہ طور کا پہلا کلیم
کشتِ ملّت کے لئے بارندہ ابر — ثانیِ اسلام، انیسِ غار و بدر
عرض کی میں نے کہ تو ہے جانِ عشق — عشق تیرا مطلعِ دیوانِ عشق
تو محافظ ہے اساسِ کار کا — کچھ علاج اب اس مرض کا بھی بتا
آپ بولے "صید لالچ کا نہ ہو — سامنے رکھ سورۂ اخلاص کو
یہ نفس سینوں میں ہے جو تار سا — کچھ نہیں ہے سرِّ وحدت کے سوا
رنگ اس کا لے کے، بن اس کی مثال — تا کہ اس کا بن سکے عکسِ جمال
نام تیرا جس نے مسلم کر دیا — پاک بھی تجھ کو دو رنگی سے کیا
نام تیرا ترک و افغان ہے ابھی — جو کبھی تھا آج تک تو ہے وہی
نام کا اب یہ بتِ دیرینہ توڑ — خُم سے وابستہ ہو تو شیشوں کو چھوڑ
نام کے چکر میں تو ایسا پڑا — خام ہی اپنے شجر سے گر گیا

له آمَنَ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ اَبُوْ بَکْرٍ (حدیث)

ایک کا ہو جا، دوئی سے کر حذر
پارہ پارہ اپنی وحدت کو نہ کر

ایک کے بندے! جواب تک تو ہے تو
چھوڑ دو دو کی پرستاری کی خو

گوش دل سے بات سن یہ راز کی
لب پہ جو کچھ ہو وہی ہو دل میں بھی

سو بنالیں ایک ملّت چھوڑ کر
رکھ دیا خود قلعہ اپنا توڑ کر

ایک ہو، توحید کو مشہود کر
کر عمل، غائب کو یوں موجود کر

لذّت ایماں عمل ہی کا ہے پھل
مردہ ہے ایماں اگر ہے بے عمل

اَللّٰہُ الصَّمَدُ

جو بھی اَللّٰہُ الصَّمَد کا ہو رہا
اِس حدِ اسباب سے باہر ہوا

بندۂ حق بندۂ اسباب کیوں؟
زندگانی گردشِ دولاب کیوں،

تو ہے مسلم، بے نیازِ غیر ہو
حق میں عالم کے سراپا خیر ہو

کر گلہ ہرگز نہ پیش اہل مال
اُن کے آگے مت بڑھا دست سوال

نانِ جو کھا کر بھی رہ شیرِ زمن — زیر کر مرحب کو، بن خیبر شکن

منّتِ اہلِ کرم سے دور رہ — نشترِ لَا و نعم[1] سے دور رہ

رزق میں منت کشِ دوناں[2] نہ ہو — ہو کے یوسف اس قدر ارزاں نہ ہو

مور بے مایہ ہو یا بے بال و پر — کوئی بھی خواہش سلیماں سے نہ کر

عاملِ اَقلِلْ مِنَ الدُّنیَا تو بن — پھر تعِش حُرّاً[3] کا سمجھے گا چلن

تا بہ امکاں کیمیا بن، گِل نہ بن — دہر میں منعم تو بن، سائل نہ بن

جانتا ہے تو مقامِ بوعلیؒ — مجھ سے لے کر پی یہ جامِ بوعلیؒ

"تختِ کیکاؤس کو ٹھوکر لگا — جان دے، ذرّہ نہ دے ناموس کا"

وہ تہی پیمانہ جو ہیں بے نیاز — ان پہ ہوتا ہے درِ میخانہ باز

یاد ہے ہاروں رشیدِ حق پرست! — جس نے دی نقفور[4] کو پیہم شکست

اس نے مالکؒ سے کہا اے فخرِ دیں! — آپ سے روشن ہے ملّت کی جبیں

[1] ہاں اور نہیں [2] ذلیل۔ کمینے [3] قول فاروقؓ اُقلِلْ مِنَ الدُّنیَا تَعِشْ حُرّاً کی طرف اشارہ ہے [4] رومی بادشاہ (کوکب)

آپ ہیں طوطی گلزارِ حدیث دیں مجھے بھی درس اسرارِ حدیث
لعل ہو کر کیوں یمن میں قید ہیں آ کے اب دارالخلافت میں رہیں
دیکھئے تابانیٔ روزِ عراق دیکھئے حسنِ نظر سوزِ عراق
موجِ آبِ خضر اس کی تاک[1] ہے! مرہمِ زخمِ مسیحا خاک ہے!!
"خادمِ احمدؐ ہوں" مالکؒ نے کہا کچھ غرض مجھ کو نہیں اس کے سوا
دیکھ مجھ کو اور اس فتراک کو! چھوڑ دوں کیسے حریمِ پاک کو؟
زندگی ہیں خاکِ یثرب کا فراق! شب کہاں اُس کی، کہاں روزِ عراق
یہ دیا ہے حکم مجھ کو عشق نے پادشاہوں کو بھی خدمت میں نہ لے
چاہتا ہے تو مرا آقا بنے بندۂ آزاد کا مولا بنے
آؤں میں تجھ کو پڑھانے کے لئے؟ خادمِ ملّت ترا خادم بنے
علمِ دیں کا ہے اگر ذوق آشنا جائے تدریسی میں آ کر بیٹھ جا
بے نیازی کا عجب انداز ہے بے نیازی اک طرح کا ناز ہے

[1] تاک۔ انگور کی بیل ۱۲

بے نیازی رنگِ حق کا نام ہے ‏ ‏ رنگ عالم سے اسے کیا کام ہے
دوسروں سے تو بھی علم اندوز ہے ‏ ‏ ان کا غازہ تیرا رخ افروز ہے
ارجمندی ہے تری ان کا شعار ‏ ‏ خود سے غافل دوسروں کا ہے شکار
تیری مٹی اس سے بنجر ہو گئی ‏ ‏ خاکِ محروم گُلِ تر ہو گئی
دوسروں سے خواہش باراں نہ کر ‏ ‏ اپنی کھیتی اس طرح ویراں نہ کر
ان کی دانش تیرے دل کی پھانس ہے ‏ ‏ ان کا دم تیرے گلے کا سانس ہے
گفتگو تیری انہیں سے مستعار ‏ ‏ آرزو تیری انہیں سے مستعار
قمریوں میں تیری مانگے کی نوا ‏ ‏ سرو پر بھی تیرے مانگے کی قبا
جام میں ہے تیرے غیروں کی شراب ‏ ‏ جام بھی ہے اب انہیں سے دستیاب
وہ نظر وہ سرِ مَازَاغَ الْبَصَر[1] ‏ ‏ کاش پھر ملّت میں آئے لوٹ کر
ہے شناخت اس شمع کو پروانے کی ‏ ‏ ہے خبر اپنے اور بیگانے کی
لَسْتَ مِنِّیْ[2] تجھ سے جب آکر کہے ‏ ‏ کیا تری عزّت زمانے میں رہے؟

[1] آیۂ شریفہ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کی طرف اشارہ ہے ۱۲، [2] یعنی تو میری قوم سے نہیں ہے ۱۲ (کوکب)

زندگانی مثلِ انجم تابکے ؟ — اپنی ہستی صبح میں گم تابکے ؟

تو نے کھایا صبحِ کاذب کا فریب — چرخ کے پہنائے جاذب کا فریب

مہر ہو کر ماہ پاروں سے طلب — نور کی تجھ کو ستاروں سے طلب !!

دوسروں کا نقش دل پر لکھ لیا — خاک لے کر ہاتھ سے دی کیمیا

نور ہے تیرا فروغِ مستعار — دوسروں کا نشہ اب سر سے اتار

شمع محفل کا ہے کیوں پروانہ تو — سوز سے اپنے ہے کیوں بیگانہ تو

اپنے ہی پردوں میں رہ مثلِ نظر — اڑ حدوں میں اپنی اڑنا ہے اگر

اس طرح اغیار سے کر اجتناب — خود ہی خلوت خانہ بن مثلِ حباب

فرد بھی ہے ایک شے اپنی جگہ — قوم لیکن قوم ہے اپنی جگہ

مصطفےٰ کے حکم سے آگاہ ہو — بے نیاز ربطِ غیر اللہ ہو

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ

قوم ہے تیری ورائے رنگ و خوں — ایک اسود ہے صد احمر سے فزوں

ایک قنبر کے وضو کا قطرہ بھی　　خونِ قیصر سے کہیں ہے قیمتی
فارغِ اُمّ و اب و اعمام[۱] رہ　　مثلِ سلماں زادۂ اسلام[۲] رہ
نکتہ یہ اے ہمدم فرزانہ جان　　شہد کو عزلت گزیں لانہ[۳] جان
کوئی قطرہ لالہ حمرا کا ہو　　یا وہ قطرہ نرگسِ شہلا کا ہو
کیا کہے گا وہ کہ میں عبہر[۴] کا ہوں؟　　یا کہے گا وہ کہ نیلوفر کا ہوں؟
ملت اپنی شانِ ابراہیم ہے　　شہد کیا؟ ایمانِ ابراہیم[۵] ہے
گر نسب کو جزوِ ملت کر دیا　　رخنہ اندازِ اخوت کر دیا
رشتۂ ملت میں کیا تیرا سوال　　نامسلماں ہے ابھی تیرا خیال
ابنِ مسعودؓ آنِ عشق، ایمانِ عشق　　جسم و جاں میں ان کے سوزِ جانِ عشق
بھائی کے مرنے کا اتنا غم ہوا　　سوزِ آہ غم سے سینہ جل گیا
جانتے تھے ان کو وہ جاں کی طرح　　روئے ان کی موت پر ماں کی طرح

---

۱ اعمام - جمع عم یعنی چچا ۲ سلمان فارسیؓ سے پوچھا گیا کہ ان کا شجرۂ نسب کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا "سلمان ابنِ اسلام"، مولانا جامی فرماتے ہیں ۔ بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی ؛ کہ دریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست، ۳ لانہ - شہد کا چھتہ ۴ شان - عبہر: نرگس ۵ ز اتفاقِ مگس شہد می شود پیدا : خدا چہ لذت شیریں در اتفاق نہادہ

ان کی وجہ گریہ لیکن اور تھی — بات ہی کچھ اور زیرِ غور تھی
ان کو کہتے تھے "سبق خوانِ نیاز" — اور اپنا "ہم دبستانِ نیاز"
رو کے کہتے تھے "وہ ساتھی اٹھ گیا — جو مرا عشقِ نبیؐ میں یار تھا
وہ ہوا محروم دربارِ نبیؐ — میں ابھی ہوں محوِ دیدارِ نبیؐ"
ہاں ہمیں روم و عرب سے کام کیا — بندشِ نام و نسب سے کام کیا
ہم ہیں محبوبِ حجازی پر فدا[۱] — اپنی یکجائی کی ہے بس یہ بنا
اپنا رشتہ ہے تولّائے نبیؐ — اپنا نشہ کیفِ صہبائے نبیؐ
ہے ہمارے خون میں مستی یہی — ہم نے پائی اس سے تازہ زندگی
شانِ ملّت وجہِ جمعیّت ہے یہ — سر بسر خونِ رگِ ملّت ہے یہ
اس کا حق جاں پر، نسب کا جسم پر — عشق ہے یعنی نسب سے پختہ تر
عشق کے بندے "النسب" کو چھوڑ دے — فکرِ ایران و عرب کو چھوڑ دے
بس یہی سمجھو کہ نورِ حق ہیں ہم[۱] — ایک ہی مصدر کے سب مشتق ہیں ہم[۲]

۱؎ لا ۲؎ حدیثِ رسول کریمؐ کی طرف اشارہ ہے۔ (کوکبؔ)

نورِ حق کے واسطے کیا زاد و بود　　خلعتِ حق کے لئے کیا تار و پود
جو حدِ اقلیم وجد تک ہی رہیں　　لَمْ یَلِدْ لَمْ یُوْلَدْ ان سے کیا کہیں

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ

بے نیاز دہر مسلم کیوں رہا؟　　اس بحق پیوستہ کی فطرت ہے کیا؟
لالۂ تنہا اگا جو کوہ پر　　دامن گلچیں کی اس کو کیا خبر
چھیڑ دے بادِ سحر جب آ کے راگ　　شعلہ بن جاتی ہے از خود اس کی آگ
آسماں چھوڑے نہ چھوڑا ہے اسے　　کوکبِ وا ماندہ سمجھا ہے اسے
تابِ مہر اس کو جگانے آتی ہے　　شبنم اس کا منہ دھلانے آتی ہے
لَمْ یَکُنْ سے ہو ترا رشتا قوی　　تب صفت ہو قوم بیہمتا تری
جس کی ذات پاک واحد، لاشریک　　اس کا بندہ کب بنائیگا شریک
جس کو حاصل ہو جہاں پر برتری　　کیوں وہ مانے گا کسی کی ہمسری

خرقۂ لَا تَحزَنوا ہے جسم پر اَنتُمُ الاَعلَون اس کا تاجِ سر
دونوں عالم اس کا بارِ دوش ہیں بحر و بر پروردۂ آغوش ہیں
ہے یہ نہی برقِ جہندہ پر نظر گر پڑے تو اس کو لے لے دوش پر
پیشِ باطل تیغ، پیشِ حق سپر نہی و امر اس کے عیارِ خیر و شر
اس کی چنگاری ہے شعلوں کی مثال اس کا جوہر زندگی کا ہے کمال
اس جہانِ ہا و ہو میں پے بہ پے نغمہ پیرا اس کی ہی تکبیر ہے
اس کے عفو و عدل و احساں ہیں عظیم قہر میں بھی ہے مزاج اس کا کریم
ساز اس کا بزم میں خاطر نواز سوز اس کا رزم میں آہن گداز
باغ میں ہے بلبلوں کا ہم صفیر ہو سرِ صحرا تو بازِ صید گیر
زیرِ گردوں اس کا گھبراتا ہے دل چرخ کی خو گر ہے اس کی آب و گل
مرغِ جاں تاروں پہ ہے منقار زن عصرِ عالم سے ہے ماتھے پر شکن
تجھ کو سیر، اندیشۂ بیہودہ ہے! بن کے کیڑا زیرِ خاک آسودہ ہے!!

خوار تو مہجوری قرآں سے ہے   تجھ کو شکوہ گردشِ دوراں سے ہے
مثلِ شبنم گر کے کیوں شرمندہ ہے   پاس تیرے جب کتاب زندہ ہے
خاک کا کب تک رہے گا یوں اسیر   مرغِ ناداں! اڑ کے ہو افلاک گیر

عرضِ حال بحضورِ رحمۃ اللعالمینؐ

اے کہ تو خود ہے شبابِ زندگی   تیرا جلوہ آفتابِ زندگی
یہ زمیں تجھ سے ہی سرافراز ہے   آسماں کو تیرے در پر ناز ہے
تجھ سے تابندہ ہے یہ عالم تمام   ترک و تاجیک و عرب تیرے غلام
ذات تیری افتخارِ کائنات   فقر ہے تیرا بہارِ کائنات
تو نے روشن کی ہے شمعِ زندگی   تو نے بندوں کو سکھائی خواجگی
تجھ بیہ سارے پیکرانِ آب و گل   بے ترے نابود مندی سے خجل

تیرے دم سے آگ کا پردہ اٹھا — خاک کے تودوں سے آدم بن گیا
ذرّہ سورج کے مقابل آگیا — یعنی اپنے زور سے واقف ہوا
تیرے رخ پر جب پڑی میری نظر — تو ہوا ماں باپ سے محبوب تر
میرے دل میں آگ پھونکی عشق نے — اور بھڑکے، خوش ہوں اس کے سوز سے
نالہ مثل نے ہے اب سامانِ دل — ہے یہ شمعِ خانۂ ویرانِ دل
اب غمِ پنہاں نہ کہنا ہے محال — اب مرا خاموش رہنا ہے محال
اب کہاں وہ مسلم، اے فخرِ امم ! — پھر ہوا بتخانہ یہ بیت الحرم!!
ہوں منات و لات و عُزّیٰ یا ہبل — ہر کوئی رکھتا ہے اک بت در بغل
کر دیا ہے شیخ نے کافر کو مات — اس کے دل میں بس رہا ہے منات
توڑ کر رشتہ عرب سے حق پرست — بادہ خانے میں عجم کے اب ہیں مست
عضو، بر خاب عجم سے شل ہوئے — ولولے سب آنسوؤں میں حل ہوئے
موت سے ڈرتا ہے کافر کی طرح — دل ہوا ماندہ مسافر کی طرح

اب وہ ذوقِ مرگ جینے میں نہیں — قلبِ زندہ اس کے سینے میں نہیں
نام کے چارہ گروں سے اس کی لاش — چھین لایا ہوں میں اب اے حق شناس
آج تک میں نے جہاں تک ہو سکا — اس کو سمجھائے رموزِ مصطفٰےؐ
مردے کو دی آبِ حیواں کی خبر — گوش زد کی سرِّ قرآں کی خبر
لکھدیا افسانۂ یارانِ نجد — پیش کردی نکہت بستانِ نجد
شمعِ روشن کی بہ اسرارِ حیات — قوم کو سمجھا دیا کارِ حیات
کہتے ہیں افرنگ کا جادو ہے یہ — اس کے لب پر اُس کی ہاؤ ہو ہے یہ
بخشنے والے بصیرؒی کو ردا[1] — مجھ کو دی ہے تو نے سلمٰی کی نوا
ذوقِ حق دے اس خطا اندیش کو — غیر سمجھا ہے متاعِ خویش کو
ہاں اگر مجھ میں ہی کچھ جوہر نہیں — غیرِ قرآں کہدیا ہو کچھ کہیں
یہ ضیا ہے تجھ سے ہر نزدیک دور — تجھ سے چھپتا ہے کہیں مافی الصدور

---

(۱) بصیری۔ مصنّف قصیدہ بُردہ جس نے عالم رویا میں نبی کریمؐ کو اپنا مشہور قصیدہ (امن تذکر جیران بذی مسلم الخ) سنایا۔ حضورؐ نے اس کے صلے میں خوش نصیب بصیری کو اپنی ردائے پاک عطا فرمائی ۱۲ (کوکب)

پردۂ تخئیل میرا چاک کر   گلشنِ ہستی کو مجھ سے پاک کر

کر فنا مجھ کو اگر ہوں پر خطا   اہلِ ملّت کو مرے شر سے بچا

سبز میری کشت بے ساماں نہ کر   مجھ پہ کارِ بخششِ نیساں نہ کر

رس نہ رہ جائے مرے انگور میں   زہر بھر میری مئے کافور میں

خوار ہی رکھنا مجھے روزِ حساب   بوسۂ پا سے نہ کرنا بہرہ یاب

دُر اگر اسرار قرآں سے چنے   اور مسلمانوں کے دامن بھر دیئے

قوم سے جو کچھ کہا وہ حق کہا   کچھ نہ قرآں کے سوا مطلق کہا

کر مرے حق میں بس اتنی سی دعا   یہ دعا ہے میری محنت کا صِلا

عرض کر پیشِ خدائے عزّ وجل   علم ہو میرا ہم آغوشِ عمل

دولت جاں حزیں بخشی مجھے   اور نعمت علم دیں کی دی مجھے

کر عمل میں بھی مجھے پائندہ تر   آب نیساں سے مجھے کر دے گہر

دہر میں جس روز سے آیا ہوں میں   اک تمنّا اور بھی رکھتا ہوں میں

ہے مرے سینے میں یہ دل کی طرح
صبح سے ہے شام منزل کی طرح

نام جب سے لب پہ آیا ہے ترا
سوز مجھ کو اس تمنّا کا ملا

بڑھتا جاتا ہوں میں جوں جوں عمر میں
اور لیتی ہے یہ دل میں کروٹیں

ہوتی جاتی ہے جواں یہ آرزو
تیز تر پاتا ہوں اس میں رنگ و بو

یہ مجھے اک گوہرِ نایاب ہے
میری راتوں کا یہی مہتاب ہے

مدتوں لالہ رخوں میں میں رہا
عشق بھی عشوہ طرازوں سے کیا

بادہ نوشی ماہ سیماؤں میں کی
عاقبت کی فکر ہی دل میں نہ تھی

گردِ حاصل بجلیاں نقصاں رہیں
رہزنوں نے دل کی کانیں لوٹ لیں

لیکن اک قطرہ نہ اس مے کا بہا
یہ گلِ رنگیں نہ دامن سے گرا

عقل نے بھی دام پھیلائے بہت
رنگ اس کے نقش بھی لائے بہت

ایک مدت شک میں گزری زندگی
یہ خرابی ذہن سے جاتی نہ تھی

واسطہ علم الیقیں سے کچھ نہ تھا
تھا گماں آبادِ حکمت میں پڑا

میری ظلمت تابِ حق سے دور تھی　　شام غم نورِ شفق سے دور تھی
یہ تمنا دل میں خوابیدہ رہی　　سیپ میں دُر بن کے پوشیدہ رہی
آخر آنسو بن کے ٹپکی آنکھ سے　　دل میں اس نے زمزمے پیدا کئے
دل ہے پُر اب صرف تیری یاد سے　　لب پہ لے آؤں اگر تو اِذن دے
زندگی ہی جب عمل ساماں نہ تھی　　یہ تمنّا بھی مجھے شایاں نہ تھی
شرم آتی تھی مجھے کہتے ہوئے　　بڑھ گئی جراءت ترے الطاف سے
شانِ رحمت ہے تری عالم نواز　　آرزو ہے میرا مدفن ہو حجاز
ایک مسلم، ماسوا سے اجنبی　　حیف ہے مٹی نے تنخانے کی
نزع میں جب پتلیاں اسکی پھریں　　لے زمینِ دہر اس کو گو دیں
بعدِ مردن گر وہاں تربت ملے　　اس کشاکش سے مجھے فرصت ملے
تیرے در سے جب قیامت کو اٹھوں　　غیر ممکن ہے کہ میں نازاں نہ ہوں
تو جہاں تھا کیا مبارک شہر ہے　　ذرّہ ذرّہ زندگی کی لہر ہے

تو جہاں آرام فرما ہے وہ خاک
دیدۂ عشاق میں ہے جاں پاک

مسکنِ محبوب ہے رشک چمن
عاشقوں کو ہے یہی حُبّ الوطن

قبر میری بن کے جب تیار ہو
اس پہ تیرا سایۂ دیوار ہو

یہ تڑپ نکلے دل بیتاب سے
بیقراری جائے اِس سیماب سے

پھر کوئی دیکھے مرے آرام کو
اُس خراب آغاز کے انجام کو